

فہرست عنوانات

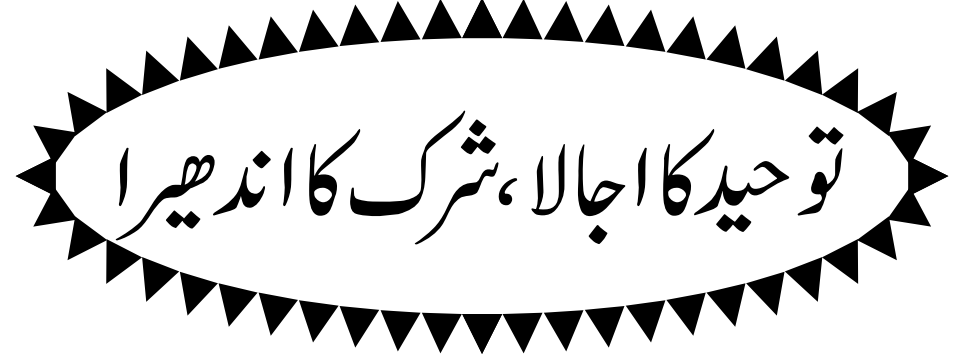
صفحہ نمبر	عناوین	نمبر شمار
6	توحید کا اجالا، شرک کا اندھیرا۔	☆
7	شرک کا مطلب اور شرک کی تعریف۔	☆
10	شرک کیا ہے ؟	•
11	شرک کی تعریف	•
12	توحید الہی۔	☆
16	عبادت کے لائق صرف اللہ تعالیٰ ہے، اور کیوں ہے؟	☆
18	سنہلنے کا مقام۔	•
19	شرک کے نام سے اتنا زیادہ کیوں ڈرایا جاتا ہے؟	☆
21	شرک کی دو قسمیں۔	☆
22	شرک اکبر یعنی شرک جلی۔	•
23	شرک اصغر یعنی شرک خفی۔	•
28	ضروری نکتہ۔	•
29	ریا کاری کا گناہ اور عذاب۔	☆
31	عبرت ناک واقعہ۔	•
34	منافقوں کا ظلم و ستم : ایمان والوں پر شرک کے فتوے۔	☆

خبردار ہوشیار رہو

(قرآنی درس توحید)

نام کی گمراہ کرنے والی کتاب کا جواب

یعنی



مصنف

خلیفہ مفتی اعظم ہند، مناظر اہل سنت، علامہ عبدالستار ہمدانی ”مصروف“

برکاتی، نوری

ناشر

مرکز اہل سنت برکات رضا

امام احمد رضا روڈ، پور بندر، گجرات

Phone : (0286) 2220886 Mob : 9879303557

92	☆	کفار کے حق میں نازل ہونے والی آیت کو مسلمانوں پر فٹ کرنے والا کیسا ہے؟
94	•	پوجنا کو پکارنا کر دیا۔
103	☆	بتوں کے بارے میں نازل شدہ آیتوں کو انبیاء و اولیاء پر فٹ کرنے کا فریب۔
110	☆	کیا اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی بھی تعظیم نہیں کرنی چاہیے؟
113	☆	قرآن نبی کی تعظیم کا حکم دیتا ہے اور منافق تعظیم سے روکتا ہے۔
113	☆	ادب کی وجہ سے نبی کی آواز سے اپنی آواز بلند مت کرو۔
116	☆	ادب کی وجہ سے آواز کو پست کرنے والوں کو قرآن میں سراہنا۔
122	☆	نتیجے پر غور کریں۔
123	☆	وہابیوں کا عقیدہ۔ ”نبی کی تعظیم بڑے بھائی کی طرح کرو۔“
124	☆	بڑا بھائی رتبہ میں باپ سے کم ہی ہوتا ہے۔
125	☆	سب آدمی مرد آپس میں بھائی ہوئے، تو عورتیں بہن ہوئیں یا نہیں؟
128	☆	نبی کو بڑا بھائی کہنے والے منافق اپنے مولویوں کو انسانیت سے بلند اور بزرگی والا فرشتہ کہتے ہیں۔
135	☆	إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ ه
141	☆	حد سے زیادہ نبی کریم سے عداوت۔
142	☆	حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ کا حضور اقدس ﷺ کے وسیلہ سے قبول ہونا۔
147	☆	انصاف کریں۔
149	☆	عظمت رسول گھٹانے کے لئے قرآن کی آیت کا غلط مفہوم بتانا۔

41	☆	شُرک کا حکم ہر شریعت میں ہمیشہ یکساں رہا ہے۔
45	☆	حلال اور حرام کے حکم میں تبدیلیاں ہوئی ہیں۔
47	☆	ذاتی اور عطائی کا فرق سمجھنا ضروری ہے۔
50	☆	قرآن مجید کی روشنی میں ذاتی اور عطائی کا فرق۔
53	•	اللہ تعالیٰ کی صفت سمیع اور بصیر۔
55	•	اللہ تعالیٰ کی صفت محی۔
56	•	اللہ تعالیٰ کی صفت رؤف اور رحیم۔
59	☆	اللہ تعالیٰ کے صفاتی نام: ”کریم“ کے تعلق سے تفصیلی بحث۔
61	•	حضرت موسیٰ کو کریم کہا گیا ہے۔
62	•	ابو جہل کو بھی کریم کہا گیا ہے۔
70	•	قرآن میں کس کس کو کریم کہا گیا ہے؟
74	☆	اللہ تعالیٰ کی صفت علیم یعنی جاننے والا۔
75	•	قرآن میں کس کس کو علیم کہا گیا ہے؟
75	•	حضرت یوسف علیہ السلام کو علیم کہا گیا ہے۔
82	☆	سوچنے اور سمجھنے کا مقام۔
85	•	کیا سب لوگ روزانہ شرک کی بولی بولتے ہیں اور مشرک ہیں؟
87	☆	حد ہوگئی۔ اللہ بھی مؤمن، بندہ بھی مؤمن؟
91	•	موذبانہ گزارش۔

☆	آخری بات۔	158
☆	خبردار ہوشیار رہو۔	159

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
نَحْمَدُهُ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْکَرِیْمِ
الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَیْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ (صلی اللہ علیہ وسلم)

توحید کا اجالا، شرک کا اندھیرا

میرے برادر طریقت جناب عبداللہ بھائی جاز، ساکن موڈاسا (گجرات) نے توحید کتاب سینٹر۔ سیکر (راجستھان) سے مطبوعہ کتاب ”قرآنی درس توحید“ نام کی بھیجی، اور اس کتاب کا جواب لکھنے کی فرمائش کی۔ اس کتاب کا مدیر ”ابو خالد“ ہے۔ اور ہندی زبان کا مترجم ”اعجاز خان“ ہے۔ پڑھنے والوں کے دھیان کو اپنی طرف کھینچنے کے لیے کتاب کے سرورق پر بڑے حرفوں سے ”خبردار ہوشیار رہو“ شائع کیا ہے۔

حقیقت میں یہ کتاب خبردار کرنے والی نہیں بلکہ بے خبر اور گمراہ کرنے والی ہے۔ اس کتاب کا مدیر ہر جملے میں مکرو فریب کی چال چل رہا ہو، ایسا محسوس ہوتا ہے، کیوں کہ اس کتاب میں شرک کے رد کے نام پر اللہ تعالیٰ کے محبوب بندوں کی شان میں توہین کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ توحید کے پردے کی آڑ میں بارگاہ رسالت میں گستاخی کا ڈھنگ اپنایا گیا ہے۔

اس کتاب میں پڑھنے والوں کو دھوکہ اور فریب دینے کے لیے مندرجہ ذیل طریقہ اپنایا گیا ہے۔

- شرک کے رد میں قرآن مجید کی آیتیں ابتدا میں بیان کر کے شرک کی سنجیدگی بیان کی ہے، مکہ کے کافروں اور مشرکوں کے افعال و ارتکاب کا بیان کر کے دور حاضر کے صحیح العقیدہ، ایمان دار مسلمانوں کو ان کے جیسا ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

- قرآن مجید کی جو آیتیں کافروں اور مشرکوں کے بارے میں نازل ہوئی ہیں، ان آیتوں کو بے

”ایمان کی جان“

اللہ کی سرتاب قدم شان ہیں یہ،
ان سانہیں انسان، وہ انسان ہیں یہ،
قرآن تو ایمان بتاتا ہے انہیں
ایمان یہ کہتا ہے میری جان ہیں یہ۔
(از: امام عشق و محبت ”رضا“ بریلوی)

قصور مسلمانوں پر چسپاں کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

- بتوں (مرتی) کے رد میں قرآن مجید کی آیتوں کو انبیاء اور اولیاء پر چسپاں کر کے انھیں بھی بتوں کی طرح عاجز اور لاچار ثابت کرنے کی چال چلی ہے۔
- قرآن مجید کے لفظی معانی کو بنیاد بنا کر اس آیت کے ذریعہ اپنے من چاہے مطلب نکال کر لوگوں کو گمراہ کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔
- قرآن مجید کی آیتوں کا غلط ترجمہ کر کے اور آیت کے شان نزول چھپا کر، اپنی رائے کو دخل دے کر، بے معنی مطلب اور بے جا مفہوم بیان کر کے آیت کا صحیح مطلب، مفہوم اور مراد کو ختم کر دیا ہے۔

شُرک کا مطلب اور شرک کی تعریف

بے شک شرک گناہ عظیم ہے، شرک کا گناہ اللہ تعالیٰ کبھی معاف نہیں کرے گا۔
قرآن مجید میں ہے کہ

آیت:

﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ﴾
(پارہ نمبر ۵، سورہ نساء، آیت نمبر: ۱۱۶)

ترجمہ:

اللہ تعالیٰ اسے نہیں بخشتا کہ اس کا کوئی شریک ٹھہرایا جائے اور اس کے نیچے جو کچھ ہے، جسے چاہے معاف فرمادیتا ہے۔ (کنز الایمان)

شان نزول یعنی آیت نازل ہونے کی وجہ

تفسیر کی قابل اعتماد اور مستند کتابوں میں اس آیت کے شان نزول میں لکھا ہے کہ:

”حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ یہ آیت ایک بوڑھے (ضعیف، کمزور) اعرابی کے حق میں نازل ہوئی ہے۔ جس نے حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا، یا رسول اللہ! میں بوڑھا ہوں، گناہوں میں ڈوبا ہوا ہوں، لیکن جب سے میں نے اللہ کو پہچانا اور اس پر ایمان لایا، اس وقت سے کبھی میں نے اس کے ساتھ شرک نہیں کیا اور دلیری کے ساتھ گناہوں میں مبتلا نہ ہوا اور ایک پل بھی میں نے گمان نہ کیا کہ اللہ تعالیٰ سے بھاگ سکتا ہوں، تا تب ہوں، مغفرت چاہتا ہوں، اللہ کے یہاں میرا کیا حال ہوگا؟“

اس پر یہ آیت نازل ہوئی، یہ آیت نص صریح ہے، یعنی کھلی دلیل ہے، اس بات پر کہ شرک بخشا نہیں جائے گا، اگر مشرک اپنے شرک پر مرے۔ کیوں کہ یہ ثابت ہو چکا ہے کہ جو مشرک اپنے شرک سے توبہ کرے اور ایمان لائے، تو اس کی توبہ اور ایمان بھی مقبول ہے۔

حوالہ:

- (۱) تفسیر روح البیان (عربی) مفسر: شیخ امام اسماعیل حقی، وفات: ۱۱۳۷ھ، ناشر: دار احیاء التراث العربی، لبنان، جلد ۲، صفحہ: ۳۴۷
- (۲) تفسیر روح المعانی (عربی) مفسر: علامہ ابوالفضل، شہاب الدین بغدادی، وفات: ۱۲۸۰ھ، ناشر: دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان، جلد نمبر ۳/۲، صفحہ نمبر ۱۴۲
- (۳) تفسیر خزائن العرفان (اردو) صفحہ نمبر ۱۵۵۔

آیت اور شان نزول کا ایک دوسرے کے ساتھ گہرا تعلق ہوتا ہے، جب تک شان نزول کا علم نہیں ہوگا، آیت کا صحیح مطلب سمجھ میں نہیں آئے گا، اس آیت کی تفسیر اور شان نزول سے ایک بات یہ

ثابت ہوئی کہ ”توبہ“ سے شرک کا گناہ بھی معاف ہو جائے گا۔

اس آیت میں جو ارشاد ہے کہ ”اللہ تعالیٰ شرک کو کبھی معاف نہیں کرے گا“ اس سے مراد یہ ہے کہ جو شخص شرک کا گناہ کرے اور ساتھ میں دوسرے گناہ بھی کرے اور وہ توبہ کیے بغیر مر جائے، تو اللہ تعالیٰ اگر چاہے تو اس کے دوسرے گناہ تو معاف کر دے گا، لیکن شرک کا گناہ معاف نہیں کرے گا۔ اور اگر اس نے مرنے سے پہلے توبہ کر لی، تو شرک کا گناہ بھی معاف کر دے گا۔

”اللہ تعالیٰ شرک کا گناہ معاف نہیں کرے گا“، یہ اس صورت میں ہے کہ شرک کا گناہ کرنے والا توبہ نہ کرے، اور بغیر توبہ کیے مر جائے، توبہ کرنے کی صورت میں بے شک اللہ تعالیٰ شرک کا گناہ بھی معاف کر دے گا، اسلام کی آمد سے پہلے ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں لوگ شرک کی گندگی میں غرق تھے۔ لیکن جب انھوں نے شرک سے توبہ کی اور اسلام قبول کر کے ایمان لے آئے تو شرک کا گناہ معاف ہونے کے ساتھ ساتھ انھیں بلند مرتبے بھی ملے، ہزاروں بلکہ لاکھوں کی تعداد میں صحابہ کرام، تابعین اور تبع تابعین میں سے اکثر وہ تھے، جو ایمان لانے سے پہلے شرک کی برائی میں پھنسے ہوئے تھے، تو کیا ان تمام مقدس ہستیوں کا شرک کا گناہ معاف نہیں ہوا؟

بے شک تمام صحابہ، تابعین اور تبع تابعین میں سے جو ایمان لانے سے پہلے شرک میں مبتلا تھے، ان سب کا شرک کا گناہ معاف ہو گیا، یہاں تک کہ قرآن میں کئی مقام پر صحابہ کرام کی تعریف بیان کی گئی ہے، کئی حدیثوں میں صحابہ کے بند مرتبوں کا ذکر ہے۔

صرف صحابہ کرام ہی نہیں، بلکہ صحابہ کرام کے بعد آج تک کے اور آج کے بعد قیامت تک کے ہر وہ لوگ، جو شرک سے توبہ کر کے ایمان لائے اور لائیں گے، ان سب کا شرک کا گناہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں معاف ہے۔

تو اب

قرآن کی آیت کریمہ ﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ﴾ یعنی ”اللہ تعالیٰ شرک کو کبھی معاف نہیں کرے گا“ کا کیا مطلب ہوگا؟ اگر تفسیر اور شان نزول دیکھے بغیر صرف آیت کے الفاظ کے ترجمہ کو ہی چپک رہیں گے، تو یہی مطلب ہوگا کہ شرک کا گناہ کبھی بھی معاف نہیں ہوگا اور صرف یہی مطلب کو پکڑ رکھنے سے بڑی گڑبڑی پیدا ہوگی۔ اس لیے قرآن مجید کی آیت کی تفسیر اور شان نزول کی روشنی اور رہبری حاصل کرنی ضروری ہے اور تفسیر اور شان نزول کی معلومات ہوگی تو قرآن مجید کی اس آیت کریمہ کا صاف مطلب یہ سمجھ میں آئے گا کہ سچی توبہ کیے بغیر شرک کا گناہ معاف نہیں ہوگا اور اگر سچے دل سے توبہ کر لے، تو بے شک شرک کا گناہ بھی معاف ہو جائے گا۔

شرک کیا ہے؟

آج کل کچھ لوگ اپنے آپ کو توحید کا متوالا اور علمبردار سمجھ کر بات بات میں شرک کا فتویٰ دیتے ہوئے گھومتے ہیں، ان لوگوں کو انبیائے کرام اور اولیائے عظام کی تعظیم اور محبت کے تعلق سے رشتہ رکھنے والے جائز اور مستحب کام میں بھی شرک نظر آتا ہے۔ اپنے آپ کو توحید کا متوالا سمجھنے کے بھرم میں وہ شرک کی اصطلاح، اقسام، قوانین اور احکام وغیرہ سے مکمل بے خبر اور جاہل ہونے کے باوجود ہر معاملہ کو شرک کے فتوے کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ جب ان سے شرک کی اصطلاح اور تعریف پوچھی جاتی ہے، تو ایسی بے تکی اور مضحکہ خیز تشریح کرتے ہیں کہ سننے والے دانتوں تلے انگلیاں دبا لیتے ہیں۔

اس لیے ضروری ہے کہ سب سے پہلے یہ سمجھ لینا چاہیے کہ شرک کس بلا کا نام ہے اور شرک کا حکم کب نافذ ہوگا؟ شرک کا گناہ بہت ہی بڑا گناہ ہے، شرک کا گناہ کرنے والا جہنم کی آگ میں جلایا جائے گا۔ یہ سب باتیں اتنی عام ہو گئی ہیں کہ شرک کے رد میں قرآن مجید کی آیتیں اور حدیثیں یہاں پر لکھنے کی ضرورت نہیں۔ ہاں البتہ یہ وضاحت ضروری ہے کہ شرک کا حکم کب نافذ ہوگا۔

شُرک کی تعریف

تفسیر خازن میں ہے کہ:

”مَنْ يُشْرِكُ بِاللَّهِ يَعْنِي يَجْعَلُ مَعَهُ شَرِيكًا غَيْرَهُ“

ترجمہ :

”اللہ کے ساتھ شرک کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اس کے ساتھ اس کے غیر کو شریک ٹھہرایا جائے۔“

جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ جس کو کلمہ طیبہ ”لا إله إلا الله“ نے باطل ٹھہرایا ہو، یعنی اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو ”معبود“ یعنی عبادت کرنے کے لیے لائق ٹھہرانا۔

بہت آسان تعریف :

حضرت شیخ محقق عبدالحق محدث دہلوی اپنی مشہور کتاب ”اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ“ میں فرماتے ہیں کہ :

”بالجملہ شرک سہ قسم است۔ در وجود، در خالقیت، و در عبادت۔“

(حوالہ: اشعۃ اللمعات، جلد ۱، صفحہ: ۶۲)

ترجمہ :

”شرک تین طرح پر ہوتا ہے، ایک تو یہ کہ اللہ کے سوا کسی دوسرے کو واجب الوجود ٹھہرایا جائے، دوسرا یہ کہ اللہ کے سوا کسی کو حقیقتاً خالق جانے یا کہے، اور تیسرا یہ کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت کرے یا اسے عبادت کے لائق سمجھے۔“

اس عبارت کا خلاصہ اچھی طرح سمجھنے کے لیے نیچے لکھے ہوئے نقاط کو خوب دھیان سے پڑھ کر سمجھ کر یاد کر لیں:-

- واجب الوجود یعنی اس کا وجود ضروری ہے اور عدم محال یعنی نہ ہونا ناممکن ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی ذات، صفات اور کمالات کے ساتھ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔
- اللہ تعالیٰ اپنی ذات، صفات اور کمالات میں دوسرے سے بے نیاز اور غنی بالذات ہے۔ یعنی وہ بے پرواہ یعنی کسی کا محتاج نہیں اور سارا عالم اس کا محتاج ہے۔ جو اس کے خلاف عقیدہ رکھے وہ مشرک ہے۔
- صرف اللہ تعالیٰ ہی عبادت کا مستحق ہے، تو جو کوئی اللہ تعالیٰ کے سوا کسی دوسروں کو عبادت کے لائق سمجھے، وہ مشرک ہے۔
- یہاں تک ہم نے شرک کی بہت ہی مختصر تعریف بیان کی ہے۔ شرک اور شرک کے ساتھ تعلق رکھنے والی باتوں کو اچھی طرح سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ پہلے ہم اللہ تعالیٰ کی توحید کے تعلق سے ضروری عقیدوں کی مفصل معلومات حاصل کریں۔

توحید الہی

جو شخص کلمہ طیبہ ”لا إله إلا الله مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ“ کا اقرار کر کے مسلمان کہلاتا ہے اور اسلام کا ماننے والا مومن ہے، اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی توحید کے تعلق سے ضروری معلومات حاصل کرے اور اسے سچے دل سے مانے۔

اللہ تعالیٰ کی توحید کے تعلق سے ضروری عقیدے

- اللہ ایک ہے، کوئی اس کا شریک نہیں، نہ ذات میں، نہ صفات میں، نہ افعال میں، نہ احکام میں، نہ اسماء میں۔
- واجب الوجود ہے۔ یعنی اس کا وجود ضروری اور عدم محال یعنی نہ ہونا غیر ممکن ہے۔

- قدیم، ازلی، باقی، ابدی یعنی ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔
- جس طرح اللہ تعالیٰ کی ذات قدیم، ازلی، باقی اور ابدی ہے، اسی طرح اس کی تمام صفتیں بھی قدیم، ازلی، باقی اور ابدی ہیں۔
- اللہ تعالیٰ نہ کسی کا باپ ہے، نہ کسی کا بیٹا اور نہ اس کے لیے بیوی ہے۔
- وہ ”حَیٌّ“ ہے، یعنی خود زندہ ہے اور سب کی زندگی اس کے اختیار میں ہے، جسے چاہے زندہ کرے، رکھے اور جب چاہے موت دے۔
- ہر ممکن پر وہ ”قَادِرٌ“ ہے، کوئی بھی ممکن اس کی قدرت سے باہر نہیں۔
- اللہ تعالیٰ ”غَنِيٌّ“ یعنی بے نیاز ہے، وہ کسی کا محتاج نہیں اور سب اس کے محتاج ہیں۔
- وہ ہر چیز کا ”مَالِكٌ“ اور ”خَالِقٌ“ یعنی بنانے والا ہے، اس سے مراد حوادث ہیں، یعنی وہ ہر چیز بنائی جو پہلے نہ تھی اور بعد میں وجود میں آئی۔ یعنی پیدا ہوئی اور باقی نہ رہیں گی یعنی فنا ہو جائیں گی۔ صرف اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کی تمام صفات ہی غیر حادث ہیں۔ یعنی ہمیشہ سے ہیں اور ہمیشہ باقی رہیں گی۔
- وہ ”سَمِيعٌ“ (سننے والا) اور ”بَصِيرٌ“ (دیکھنے والا) ہے۔
- حیات، قدرت، سننا، دیکھنا، کلام، علم (جاننا)، ارادہ یہ سب اللہ تعالیٰ کی صفات ذاتیہ ہیں۔ مگر اس کا سننا، دیکھنا اور کلام کرنا کان اور زبان سے نہیں، کیوں کہ کان، آنکھ اور زبان یہ سب اعضائے جسم ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ جسم سے پاک ہے۔
- ہر پست سے پست آواز کو سنتا ہے، ہر باریک سے باریک کو دیکھتا ہے، یعنی ہر موجود کو دیکھتا اور سنتا ہے۔
- اللہ تعالیٰ کا کلام بھی اس کی دیگر صفات کی طرح قدیم (ہمیشہ سے) اور غیر حادث یعنی باقی

(ہمیشہ رہنے والا) ہے۔

- اللہ تعالیٰ کا کلام آواز سے پاک ہے، اور یہ قرآن شریف جس کو ہم ہماری اپنی زبان سے تلاوت کرتے ہیں، مصاحف میں لکھتے ہیں، یہ قرآن بھی اللہ تعالیٰ کا بغیر آواز کا قدیم کلام ہے۔ ہماری آواز حادث ہے، لہذا ہم نے جو پڑھا، وہ قدیم اور ہمارا پڑھنا حادث، ہمارا لکھنا حادث اور جو لکھا وہ قدیم، ہمارا سننا حادث اور جو سنا وہ قدیم، ہمارا حفظ کرنا حادث اور جو ہم نے حفظ کیا وہ قدیم۔
- اللہ تعالیٰ کا علم ہر چیز کو گھیرنے والا (محیط) ہے۔ یعنی ازل سے ابد تک (شروع سے آخر تک) کی ہر چیز کو جانتا تھا، جانتا ہے اور جانے گا۔ چیزیں بدلتی ہیں لیکن اس کا علم نہیں بدلتا۔ اللہ تعالیٰ کے علم سے کوئی چیز باہر نہیں، چھپی ہوئی نہیں، اللہ تعالیٰ کے علم کی کوئی انتہا (حد) نہیں، دلوں میں جو خیال آتا ہے، اس کی بھی اللہ تعالیٰ کو خبر ہے۔
- اللہ تعالیٰ غیب اور شہادت سب کو جانتا ہے۔ یعنی پوشیدہ اور نظر آنے والے سب کو جانتا ہے۔ علم ذاتی صرف اسی کی صفت ہے۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کا بھی علم ذاتی نہیں۔ ذاتی علم چاہے وہ غیب کا ہو یا شہادت کا یعنی نظر آنے والے کا ہو، اللہ تعالیٰ کے کسی غیر کے لیے ثابت کرنا شرک ہے۔ ذاتی علم کا مطلب یہ ہے کہ خدا کے دیے بغیر خود جاننا۔
- اللہ تعالیٰ ”رَزَّاقِي“ ہے، یعنی حقیقت میں روزی پہنچانے والا وہی ہے۔
- ہر شخص کی بھلائی اور برائی اللہ تعالیٰ نے اپنے ازلی علم سے مقدر فرمادی ہے، یعنی ہر شخص جیسا کرنے والا تھا، اللہ تعالیٰ نے اپنے علم سے وہی لکھ دیا، اس کا مطلب یہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہماری تقدیر میں جو لکھ دیا ہے، وہ ہم کو کرنا پڑتا ہے، بلکہ جیسا ہم کرنے والے تھے، ویسا ہی اس نے لکھ دیا ہے۔

- اللہ تعالیٰ جو چاہے اور جیسا چاہے کرے، کیوں کہ: ■ کسی کو اس پر قابو نہیں۔ ■ اسے اپنے ارادے سے بعض رکھنے والا کوئی نہیں۔ ■ اسے نیند اور اونگھ نہیں آتی۔ ■ تمام جہان پر نظر رکھنے والا۔ ■ نہ کبھی تھکے۔ ■ تمام عالم کا پالنے والا۔ ■ ماں باپ سے بھی زیادہ مہربان ہے۔ ■ اسی کی رحمت ٹوٹے ہوئے دلوں کا سہارا ہے۔ ■ اسی کے لئے بڑائی اور عظمت ہے۔ ■ ماں کے پیٹ میں بچے کی جیسی چاہے ویسی صورت بنانے والا ہے۔ ■ گناہوں کا بخشنے والا۔ ■ توبہ قبول کرنے والا۔ ■ قہر اور غضب فرمانے والا۔ ■ اس کی پکڑ نہایت سخت ہے۔ ■ اس کے رحم کے بغیر کوئی بھی اس کی پکڑ سے چھوٹ نہیں سکتا۔
- اللہ تعالیٰ چاہے تو ■ چھوٹی چیز کو وسیع کر دے۔ ■ وسیع کو سمیٹ دے۔ ■ جس کو چاہے بلند کر دے اور جس کو چاہے پست کر دے۔ ■ ذلیل کو عزت دیدے اور عزت والے کو ذلیل کر دے۔ ■ جس کو چاہے راہ راست پر لائے اور جس کو چاہے سیدھی راہ سے الگ کر دے۔ ■ اللہ تعالیٰ جسے چاہے اپنی نزدیکی دیدے اور جسے چاہے مردود کر دے۔ ■ جسے جو چاہے دیدے اور جس سے جو چاہے چھین لے۔ ■ جو کرتا ہے اور کرے گا عدل اور انصاف ہے۔ ظلم سے پاک ہے۔ ■ ہر کمال اور خوبی کا جامع ہے، اور ہر اس چیز سے جس میں عیب اور نقصان ہو، اس سے پاک ہے۔ یعنی عیب اور نقص کا اس میں ہونا محال ہے۔ بلکہ جس بات میں نہ کمال ہو، نہ نقص و عیب، اس کا بھی اس میں ہونا محال ہے۔ چھوٹ، دغا، خیانت، ظلم، جہالت، بے علمی، بے حیائی وغیرہ عیبوں کا اس میں ہونا قطعاً محال ہے۔
- قیامت کے دن کا مالک ہے، مومنوں کو اپنے کرم سے جنت اور کافروں کو اپنے عدل سے جہنم میں داخل کرے گا۔ اللہ کا وعدہ بدلتا نہیں۔
- ہر جاندار کو مرنے کے بعد پھر دوبارہ زندہ کرے گا، اچھے اور نیک کام کرنے والوں کو اچھا بدلہ اور انعام دے گا اور برے کام کرنے والوں کو سخت سزا دے گا۔

عبادت کے لائق صرف اللہ تعالیٰ ہے اور کیوں ہے؟

صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہی عبادت کے لائق ہے۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت کرنا گناہ عظیم اور شرک ہے۔ کیوں کہ جس کی عبادت کی جاتی ہے، اسے معبود سمجھا جاتا ہے۔ معبود یعنی جس کی عبادت کی جائے۔ اور معبود وہی ہو سکتا ہے، جس میں ۲۷ ستائیس صفتیں اور شان حسب ذیل ہوں:

تفسیر کی کتاب کا ایک حوالہ دیکھیں :

- (۱) قدرت کاملہ والا ہو۔
- (۲) علم تامہ والا ہو، ہر ذرے کی خبر ہو، کوئی چیز اس سے چھپ نہ سکے۔
- (۳) بطش شدید یعنی سخت پکڑ والا ہو۔
- (۴) قبض مضبوط یعنی مضبوط قابو والا ہو۔
- (۵) خالق کائنات، یعنی پوری کائنات کا پیدا کرنے والا ہو۔
- (۶) مالک عالمین ہو۔
- (۷) اولیت والا ہو۔
- (۸) کمال والا ہو۔
- (۹) غنا والا یعنی بے نیاز ہو۔
- (۱۰) عطا والا ہو۔
- (۱۱) اختیار والا ہو۔
- (۱۲) صفات والا ہو۔
- (۱۳) غیر منتہی، یعنی جس کی کوئی انتہاء نہ ہو۔
- (۱۴) کسی کا محتاج نہ ہو۔

- (۱۵) لازوال یعنی کبھی ختم نہ ہو۔
 (۱۶) ربوبیت والا یعنی پالنے والا ہو۔
 (۱۷) حکمت والا ہو۔
 (۱۸) وحدت والا، یعنی ایک ہو۔
 (۱۹) ہر شان میں اکمل، یعنی کامل ہو یعنی کسی قسم کی کوئی کمی نہ ہو۔
 (۲۰) ہر چیز کا ذاتی مالک ہو۔
 (۲۱) ہر صفت میں یکتا لا شریک یعنی اکیلا، انوکھا ہو، کہ جس کا کوئی شریک نہ ہو۔
 (۲۲) ہر بلندی اور پستی پر بادشاہی والا ہو۔
 (۲۳) ہر فرد یعنی سب پر اس کی حکمرانی ہو۔
 (۲۴) ﴿لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ﴾ یعنی ”اس کے جیسا کوئی نہیں“ کی شان والا ہو۔
 (۲۵) موت دے سکے۔

(۲۶) نیست کو ہست یعنی عدم کو وجود، معدوم کو موجود یعنی مٹے ہوئے کو حاضر اور مردوں کو زندہ کر سکے۔

(۲۷) مشرق سے مغرب اور مغرب سے مشرق کا نجاتِ شمس و قمر کو چلا سکے۔

امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ جس ذات میں یہ صفتیں ہوں، بس وہی ”اللہ“ ہو سکتا ہے۔ جس میں یہ صفتیں نہ ہوں، وہ کسی کا ”معبود“ نہیں بن سکتا۔ نہ اس کو سجدہ جائز، نہ اس کی عبادت مناسب اور جائز ہے۔ اور یہ صفتیں صرف ”اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ“ میں ہی ہے۔

(حوالہ: تفسیر نعیمی، پارہ ۱۷، سورۃ انبیاء، صفحہ نمبر: ۹۲/۹۱)

حاصل کلام یہ کہ اللہ تعالیٰ جیسی پاک ذات اور کمال صفت والا نہ کوئی تھا، نہ کوئی ہے اور نہ کوئی

ہوگا، بلکہ ہو ہی نہیں سکتا۔ اسی لیے عبادت کے لائق صرف اور صرف اللہ تبارک و تعالیٰ کی مقدس ذات ہے۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی بھی عبادت کرنا گناہ عظیم اور شرک ہے۔

سنجھنے کا مقام

اللہ تبارک و تعالیٰ کی توحید اور شرک کے تعلق سے ضروری عقیدے بیان ہوئے، جس کو جان لینے کے بعد اب یہ جاننا ضروری ہے کہ ان عقیدوں کی خلاف ورزی کب ہوگی اور ایسا کرنے پر کیا حکم لگے گا؟

◎ جو شخص اللہ تعالیٰ کی صفتوں کو مخلوق (پیدا کی ہوئی) مانے یا حادث (فنا ہونے والی) مانے، گمراہ اور بے دین ہے۔

◎ جو شخص عالم میں سے کسی چیز کو قدیم (ہمیشہ سے ہونا) مانے، یا اس کے حدوث (ختم) ہونے میں شک کرے، کافر ہے۔

◎ اللہ تعالیٰ کا علم غیب اور علم شہادت ذاتی ہے، جو اللہ تعالیٰ کے سوا کسی دوسرے کے لیے ذرہ برابر بھی ذاتی علم مانے یا ثابت کرے، کافر ہے۔

◎ جو اللہ کے سوا کسی دوسرے کو اس کی ذات اور صفت میں غنی بالذات (بے نیاز) مانے یا مستحق عبادت یعنی عبادت کے لائق مانے، وہ مشرک ہے۔

◎ جو اللہ تعالیٰ کے سوا کسی دوسرے کے کمالات کو ذاتی مانے، وہ مشرک ہے۔ چاہے یہ کمالات علم، طاقت، قدرت، حیات، دیکھنا، سنانا، حکومت، قابو سے تعلق رکھتے ہوں۔

◎ جو شخص اللہ تعالیٰ کی کسی صفت کو ذاتی نہ مانے، بلکہ عطائی یعنی کسی کی عطا کی ہوئی مانے، وہ شخص مشرک ہے، کیوں کہ اللہ تعالیٰ کی کوئی بھی صفت اور کمال عطائی اور غیر سے حاصل کی ہوئی نہیں۔

شُرک کے نام سے اتنا زیادہ کیوں ڈرایا جاتا ہے؟

موجودہ زمانے میں ہر جگہ بس ایک ہی بات سننے میں آتی ہے کہ ”یہ کام کرنا شرک ہے“، ”فلاں کام شرک ہے“، بس جہاں جاؤ، جہاں دیکھو، یہی دیکھنے اور سننے میں آتا ہے کہ مولانا جیسی شکل و صورت والے کچھ لوگ عوام الناس کو مخاطب کر کے شرک کے عنوان پر نصیحت کرتے ہیں، بلکہ یوں کہیے کہ شرک کے فتوے کی مشن گن چلا رہے ہیں۔ شرک کے فتوے کے گولے برس رہے ہیں اور بے شمار بے قصور لوگ اس مذہبی دہشت گردی کا شکار ہو رہے ہیں۔

اس تشدد کا نتیجہ یہ آیا کہ ہر مومن شرک کے نام سے کانپتا ہے۔ شرک کے فتوے کی گولی مجھے نہ لگ جائے، اس خوف سے کانپتا ہے۔ کیوں کہ ہر سمت سے شرک، شرک..... اور شرک ہی کے فتوے کے گولے برس رہے ہیں۔ ہر جائز کام پر، نبی کی عظمت اور محبت کے عقیدے اور کاموں پر، اولیائے کرام کی عقیدت کے کاموں پر، صدیوں سے رائج بزرگان دین کے طریقے پر، اندھا دھند شرک کے فتوے کے گولا بارود کا شدید حملہ ہے۔

دور حاضر میں جس طرح جہاد کا نام لے کر بلکہ جہاد کی آڑ میں دہشت گردی کا زہر پھیلا یا جاتا ہے، ٹھیک اسی طرح توحید کا نام لے کر شرک کے فتوے کا ظلم و ستم ڈھایا جاتا ہے۔ سیدھے سادے مسلمان کو ڈرایا جاتا ہے کہ یہ کام مت کرو، اگر تم نے یہ کام کیا، تو تم نے اللہ کی توحید کے خلاف کر کے ”شرک“ کیا اور اس کے نتیجے میں تم ”مشرک“ ہو گئے۔ یعنی تمہارا ایمان تباہ ہو گیا۔ تم نے شرک کا ایسا بھیا نک جرم کیا ہے، جو کبھی معاف نہیں ہوگا۔ اپنے اس قول کی تائید و ثبوت میں قرآن مجید کی اس آیت کریمہ کو پیش کرتے ہیں کہ:

﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ﴾ (پارہ نمبر ۵، سورہ نساء، آیت نمبر ۱۱۶)

اس آیت کا ترجمہ بھی اس طرح بیان کریں گے کہ ”اللہ کے یہاں بس شرک ہی کی بخشش نہیں ہے۔“

ہو گیا کام!! قرآن کی آیت اور اس کا ترجمہ سن کر ان پڑھ مسلمان کانپنے لگتا ہے اور شرک کیا ہے؟ شرک کے اصول و قوانین کیا ہیں؟ شرک کے کتنے اقسام ہیں؟ شرک کا حکم کب نافذ ہوگا؟ میرا یہ کام شرک کے حکم میں آتا ہے یا نہیں؟ اس تمام ضروری باتوں سے انجان مسلمان صرف اپنے ایمان کے تباہ ہو جانے کے خوف سے کانپنے لگتا ہے۔ میرا یہ کام حقیقت میں شرک ہے یا نہیں؟ اس بات کی معلومات حاصل کرنے کی پرواہ کیے بغیر اس کے سامنے قرآن مجید کی مذکورہ آیت پڑھی جانے کو ہی سب کچھ سمجھ کر اور قرآن مجید کی آیت کا ترجمہ اور اس کی تشریح بتانے والی کی بات پر بھروسہ کر لیتا ہے، اور صدیوں سے ملت اسلامیہ میں رائج مستحب اور جائز کاموں کو شرک سمجھ کر چھوڑ دیتا ہے، بلکہ دوسروں کو بھی اس کام کو شرک کہہ کر منع کرتا ہے؟

یہ سب کیوں کیا جاتا ہے؟ اور کیوں ہوتا ہے؟ صرف نفسیاتی (Psychological) تاثر کا بھرپور استعمال کیا جا رہا ہے۔ یہ بات متفق علیہ ہے کہ آدمی جس کو سب سے زیادہ چاہتا ہے اس کو کبھی گنوانا نہیں چاہتا ہے، بلکہ اس کے فوت ہونے کے صرف خیال سے ہی بے چین ہو جاتا ہے اور گھبرا جاتا ہے۔ اس کو بچانے کی وہ ہر ممکن کوشش کرتا ہے۔

ایک مسلمان کے لیے اس کا ایمان سب سے عزیز ہوتا ہے۔ وہ مرجانا گوارا کر سکتا ہے، لیکن اس کا ایمان برباد ہو جائے، یہ کبھی بھی برداشت نہیں کر سکتا۔ ایک مسلمان کے اس جذبے کا منافقین لوگ بھرپور ناجائز فائدہ اٹھاتے ہیں، بلکہ غلط استعمال کرتے ہیں، اس بات کو اچھی طرح سمجھنے کے لیے ایک مثال پیش ہے:

ہر آدمی کو اپنی جان عزیز ہوتی ہے۔ اپنی جان بچانے کے لیے سب کچھ کر بیٹھتا ہے، اور ہر اس کام سے ڈرتا ہے جس سے جان چلی جانے کا خطرہ ہو جاتا ہے۔ اگر کسی سے کہا جائے کہ لیموں (Lemon) مت کھانا، کیوں کہ لیموں کے کھانے سے تمہیں بخار (Fever) آجائے گا۔ اس

تنبیہ پر سننے والا سنجیدگی سے توجہ نہیں دے گا بلکہ سنا، ناسنا کر دے گا اور ارے یا رکچہ نہیں ہوگا اور کچھ ہوگا بھی تو یہی تو ہوگا کہ معلولی سا بخار آئے گا، مرتو نہیں جاؤں گا، لیکن اس سے اگر یہ کہا جائے کہ لیموں کھانے سے ایڈز (Aids) ہو جائے گا، تو یہ سن کر وہ کانپ اٹھے گا۔ لیموں کھانا تو دور کی بات رہی، لیموں کو ہاتھ میں لینے سے بھی ڈرے گا، اس لیے کہ وہ لیموں کو جان لیوا سمجھ رہا ہے، لیموں کھانے سے ایڈز ہو جائے گا اور ایڈز ہو گیا تو سمجھو کہ مر گیا اس خیال سے وہ لیموں کی طرف نظر کرنا بھی نہیں چاہے گا۔

ٹھیک اسی نفسیات (Psychological) طریقے کو شرک کے غلط اصولوں کی نشرو اشاعت کے لیے منافقوں نے اپنایا ہے۔ ہر بات میں شرک کے اندیشہ کی راگنی آلاپتے ہیں اور انبیائے کرام اور اولیائے عظام کی عظمت، عقیدت اور محبت کے جذبات کو مسلمانوں کے دلوں سے ختم کرنے کے لیے بات بات میں ”شرک ہو جائے گا، ایمان ختم ہو جائے گا“ اور ”شرک ہو گیا ایمان برباد ہو گیا“ کے نعرے لگاتے ہیں۔ سیدھا سادہ، بے علم، جاہل مسلمان ان کے جال میں پھنس جاتا ہے اور ایمان بچانے کے لالچ میں ہی ایمان سے ہاتھ دھو بیٹھتا ہے۔

اس لیے ضروری ہے کہ شرک کے عنوان کو خوب اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے۔

شرک کے دو اقسام: شرک اکبر اور شرک اصغر

عام طور پر شرک ایک ہی معنی اور مطلب کے لیے بولا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک کرنا یا اللہ تعالیٰ کی جو ذاتی صفتیں ہیں، ایسی ذاتی صفتیں یا کوئی ایک صفت بلکہ ان ذاتی صفتوں میں سے ایک ذرہ برابر کسی کے لیے ذاتی صفت ماننا شرک ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو مستحق عبادت (پرستش کے لائق) ٹھہرانا بھی شرک ہے۔ یہ ہوئی شرک کی مختصر تعریف۔

اب شرک کے تعلق سے تفصیلی گفتگو کریں:

شرک کی حدیثوں میں دو قسمیں بتائی گئی ہیں:

شرک کی پہلی قسم:

شرک اکبر یعنی ”بڑا شرک“

اس کا دوسرا نام ”شرک جلی“ یعنی ”کھلا شرک“ ہے۔

شرک کی دوسری قسم:

شرک اصغر یعنی ”چھوٹا شرک“

اس کا دوسرا نام ”شرک خفی“ یعنی ”چھپا شرک“ ہے۔

شرک اکبر یعنی شرک جلی

وجود میں شرک:

جو شخص اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو واجب الوجود (یعنی ہمیشہ سے ہونا اور ہمیشہ رہنا) ٹھہرائے، وہ مشرک ہے۔

خالقیت میں شرک:

جو شخص اللہ کے سوا کسی کو حقیقتاً خالق (بنانے والا، پیدا کرنے والا) جانے، یا کہے، یا مانے، وہ مشرک ہے۔

عبادت میں شرک:

صرف اللہ تعالیٰ ہی عبادت کے لائق ہے، جو شخص اللہ تعالیٰ کے سوا کسی دوسرے کو مستحق عبادت مانے، یا ٹھہرائے، یا اللہ کے سوا کسی دوسرے کی عبادت کرے، وہ مشرک ہے، جیسے کہ بت پرست وغیرہ۔

صفات میں:

اللہ تعالیٰ کی جتنی بھی صفیں ہیں، وہ ذاتی ہیں، جیسے علیم یعنی علم والا، قادر یعنی قدرت والا اور اختیار والا، رزاق یعنی روزی دینے والا، وغیرہ اگر اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کے لیے ایک ذرہ پر قدرت، یا اختیار، یا علم ثابت کرنا، اگر بالذات ہو یعنی خود اپنی ذات سے ہو تو، یہ شرک ہے۔

مختلف انداز سے :

اسی طرح اللہ تعالیٰ کے سوا کسی دوسرے کو علم، قدرت یا کسی اختیار میں اللہ تعالیٰ کے برابر، یا بڑھ کر ماننا، یا وہ ضروری عقیدے جو پچھلے صفحات میں توحید کے تعلق سے بیان کیے گئے، ان عقیدوں کے خلاف عقیدہ رکھنا بھی شرک ہے۔

یہ ہوئی شرک کی مختصر تعریف، شریعت کی اصطلاح میں جب مطلقاً یعنی عام طور پر شرک بولا جاتا ہے، تو اس سے مراد یہی ”شرک اکبر“ یا ”شرک جلی“ ہی ہوتا ہے۔ یہی شرک توحید الہی کا منافی ہے۔ جس کی وجہ سے ایمان برباد ہو جاتا ہے اور ایسا کرنے والا اگر توبہ کیے بغیر مر گیا، تو ہمیشہ کے لیے جہنم کی آگ میں رہے گا۔

شرک اصغر یعنی شرک خفی

شرک کا اطلاق (لاگو ہونا) کبھی مختلف معانی میں بھی ہوتا ہے، اس کو ”شرک اصغر“ یا ”شرک خفی“، یعنی چھپا ہوا شرک کہتے ہیں، شرک اصغر یعنی شرک خفی یہ ہے کہ بندہ اپنی عبادت یا نیکی کے کام میں اخلاص نہ کرے، بلکہ ریا کاری کرے، یعنی دوسروں کو دکھانے کے لیے کرے، تاکہ لوگ اسے نیک ایمان دار، عبادت گزار سمجھیں، اس کی عبادت صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کے لیے نہ ہو، بلکہ دکھاوا کرنے کے لیے ہو، ریا کاری پر مشتمل عبادت ہرگز قبول نہیں ہوتی، بلکہ ٹھکرا دی جاتی ہے۔ ریا کاری کی نیت سے عبادت کرنے والا ثواب پانے کے بجائے عذات کا حق دار ہوتا ہے۔

ریا کاری کی عبادت کی حدیث شریف میں سخت الفاظ میں مذمت کی گئی ہے، بلکہ اسے ”شرک خفی“ کہا گیا ہے، چند حدیثیں خدمت میں پیش ہیں :

حدیث نمبر : ۱

”أَخْبَرَنَا أَبُو عَبْدِ اللَّهِ الْحَافِظُ وَ مُحَمَّدُ بْنُ مُوسَى قَالَا نَا أَبُو الْعَبَّاسِ الْأَصَمُّ نَا الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ بْنِ عَفَّانَ نَا زَيْدُ بْنُ الْحَبَّابِ نَا عَبْدُ الْوَاحِدِ بْنُ زَيْدِ الْبَصْرِيِّ نَا عَبَادَةُ بْنُ نَسِيٍّ الْكُنْدِيُّ عَنْ شَدَّادِ بْنِ أَوْسٍ إِنَّهُ دَخَلَ عَلَيْهِ وَهُوَ فِي مَصَلَاةٍ يَبْكِي، فَقِيلَ لَهُ مَا يُبْكِيكَ؟ فَقَالَ: حَدِيثُ ذَكَرْتَهُ سَمِعْتُهُ مِنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَمَا هُوَ؟ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِني أَتَخَوَّفُ عَلَى أُمَّتِي مِنْ بَعْدِي الشِّرْكَ وَ الشَّهْوَةَ الْخَفِيَّةَ، قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ أَوْ تَشْرِكُ أُمَّتَكَ مِنْ بَعْدِكَ؟ قَالَ: يَا شَدَّادُ إِنَّهُمْ، لَا يَعْبُدُونَ شَمْسًا وَ لَا قَمَرًا وَ لَا حَجْرًا وَ لَا وَثْنَا وَلَكِنْ يَرَاؤُونَ بِأَعْمَالِهِمْ، قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ وَمَا الشَّهْوَةُ الْخَفِيَّةُ؟

قال: يَصْبَحُ أَحَدُهُمْ صَائِمًا فَتَعَرَّضُ لَهُ شَهْوَةٌ مِنْ شَهَوَاتِهِ فَيُوقِعُ شَهْوَتَهُ وَيَدْعُ صَوْمَهُ.“

حوالہ :

- (۱) شعب الایمان، از امام ابی بکر احمد بن الحسین البیہقی ۴۵۸ھ، الناشر: دارالکتب العلمیہ، بیروت، لبنان، جلد ۵، حدیث نمبر ۶۸۳۰، ص ۳۳۳
- (۲) کنز العمال فی سنن الأقال و الافعال، از علامہ علاء الدین علی المتقی بن حسام الدین (۹۷۵ھ)۔ ناشر: ایضاً، جلد ۳، حدیث نمبر ۴۸۶، ص ۱۹۰

حدیث کا ترجمہ :

حضرت عبادہ بن نسی کندی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ وہ حضرت شداد بن اوس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آئے اور حضرت شداد بن اوس اپنے مصلے پر بیٹھے ہوئے رو رہے تھے، حضرت شداد نے پوچھا کہ کس چیز نے آپ کو رلایا ہے؟ تو انھوں نے کہا کہ اس حدیث کو یاد کر کے رو رہا ہوں، جس کو میں نے حضور اقدس ﷺ سے سنا ہے، ان سے پوچھا گیا کہ وہ کون سی حدیث ہے؟ حضرت شداد بن اوس نے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ :

”بے شک میں خوف کرتا ہوں میری امت پر کہ میرے بعد وہ شرک اور چھپی ہوئی شہوت میں مبتلا ہوگی، عرض کی میں نے یا رسول اللہ! کیا آپ کی امت آپ کے بعد شرک کرے گی؟ حضور نے فرمایا اے شداد وہ سورج، چاند، پتھر اور بت کی عبادت نہیں کرے گی بلکہ وہ اپنے عملوں کو دکھائے گی۔

میں نے عرض کی چھپی ہوئی شہوت کیا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ صبح کرے گا ان میں سے کوئی روزہ دار اور آئے گی اس پر شہوت میں سے کوئی شہوت، اور وہ مبتلا ہوگا شہوت میں اور چھوڑ دے گا روزہ۔“

حدیث نمبر : ۲

”أَخْبَرَنَا عَلِيُّ بْنُ أَحْمَدَ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ أَحْمَدَ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ شَرِيكَ بْنِ أَبِي مَرْيَمَ نَا أَبِي الزِّنَادِ وَ حَدَّثَنِي عَمْرُو بْنُ أَبِي عَمْرٍو عَنْ عَاصِمِ بْنِ عَمْرٍو عَنْ قَتَادَةَ عَنْ مَحْمُودِ بْنِ لَبِيدٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ :
أَنْ أَخُوفُ مَا أَخَافُ عَلَيْكُمُ الشِّرْكَ الْأَصْغَرَ
قَالَ : وَمَا الشِّرْكَ الْأَصْغَرُ؟

قَالَ : الرِّيَاءُ إِنَّ اللَّهَ يَقُولُ : يَوْمَ يَجَازِي الْعِبَادَ بِأَعْمَالِهِمْ إِذْ هَبُوا إِلَى الَّذِينَ كُنْتُمْ تَرَآؤُونَ فِي الدُّنْيَا فَانظُرُوا هَلْ تَجِدُوا عِنْدَهُمْ جَزَاءً أَوْ خَيْرًا“
حوالہ : شعب الایمان، از: امام ابی بکر احمد بن الحسین البیہقی ۴۵۸ھ، الناشر: دارالکتب العلمیہ، بیروت، لبنان، جلد: ۵، حدیث نمبر: ۶۸۳۱، صفحہ: ۳۳۳

حدیث کا ترجمہ :

”حضرت محمود بن لبید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ بیشک رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: ”خوف کرنے والی جو چیزیں ہیں، ان میں سب سے زیادہ ڈرنے والی چیز جسکا میں تم پر خوف کرتا ہوں، وہ شرک اصغر ہے۔ عرض کیا، کہ شرک اصغر کیا ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا کہ ریا کاری۔“

بیشک اللہ تعالیٰ فرمائیگا کہ آج کے دن بندوں کو اپنے عملوں کا بدلہ دیا جا رہا ہے۔ جاؤ، ان کے پاس جن کو دکھانے کے لئے دنیا میں عمل کرتے تھے اور دیکھو، کیا تم ان کے پاس کوئی بدلہ اور کوئی بھلائی پاتے ہو؟“

حدیث نمبر : ۳

أَخْبَرَنَا أَبُو سَعِيدٍ الْمَلَانِيُّ أَنَا أَبُو أَحْمَدَ بْنِ عَدِي نَا مُحَمَّدُ بْنُ الْحُسَيْنِ بْنِ مُكْرَمٍ نَا مَحْمُودُ بْنُ غِيْلَانَ نَا أَبُو أَحْمَدَ الزُّبَيْرِيُّ نَا كَثِيرُ بْنُ رَيْدٍ عَنْ رَبِيعِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَبِي سَعِيدٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ قَالَ : كُنَّا نَتَنَابَوُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَبَيْتٌ عِنْدَهُ فَذَكَرَهُ وَقَالَ فِيهِ أَخَافُ عَلَيْكُمْ أَخُوفٌ مِنَ الْمَسِيخِ الشِّرْكِ الْخَفِيِّ أَنْ يَقُولُ الرَّجُلُ يَعْمَلُ لِمَكَانِ الرَّجُلِ .

حوالہ: شعب الایمان، از: امام ابی بکر احمد بن الحسین البیہقی ۴۵۸ھ، الناشر: دارالکتب العلمیہ،

بیروت، لبنان، جلد: ۵، حدیث نمبر: ۶۸۳۲، صفحہ: ۳۳۲

حدیث کا ترجمہ :

”حضرت ربیع بن عبد الرحمن بن عدی سعید سے روایت ہے کہ اور وہ اپنے والد سے اور ان کے والد ان کے دادا سے روایت کرتے ہیں، کہ ہم رات کے وقت باری باری خدمت اقدس میں رہا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ رات کو میں حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں حاضر تھا تب حضور اقدس ﷺ نے مجھ سے ارشاد فرمایا کہ میں تم پر خوف کرتا ہوں ایسا خوف جو نہایت برا ہے اور وہ شرک خفی ہے یعنی چھپا ہوا شرک۔ اور وہ یہ ہے کہ آدمی نے آدمی کو دکھانے کے لیے عمل کیا۔“

حدیث نمبر :

”عَنْ شَدَّادِ بْنِ أَوْسٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
الشَّهْوَةُ الْخَفِيَّةُ وَالرِّيَاءُ شُرْكٌ“

حوالہ: کنز العمال فی سنن الاقوال والافعال، المؤلف: علامہ علاء الدین علی متقی حسام الدین، ناشر:

دارالکتب العلمیہ، بیروت، لبنان، جلد: ۳، حدیث نمبر: ۴۸۳، صفحہ: ۱۹۰

حدیث کا ترجمہ :

”حضرت شداد بن اوس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ارشاد فرماتے ہیں کہ چھپی شہوت اور ریا کاری شرک ہے۔“

شرک خفی یعنی چھپا ہوا شرک جس کو شرک اصغر کہتے ہیں، اس کے رد میں ہم نے کل چار حدیثیں یہاں بیان کی ہیں، حالانکہ اس قسم کی کئی حدیثیں موجود ہیں، جن کو یہاں نقل نہیں کرتے، البتہ صرف اس کا حوالہ درج کر دیتے ہیں۔

■ کتاب الجامع الصغیر فی احادیث البشیر النذیر، مصنف: امام جلال الدین سیوطی

(متوفی ۹۱۱ھ) ناشر: دارالکتب العلمیہ، بیروت، لبنان)

☆ جلد نمبر ۱، حدیث نمبر ۴۹۳۲، صفحہ نمبر ۳۰۳ اور

☆ جلد نمبر ۱، حدیث نمبر ۴۹۶۰، صفحہ ۳۰۵

■ کتاب کنز العمال فی سنن اقوال والافعال، مؤلف: علامہ علاء الدین بن حسام الدین،

ناشر: دارالکتب العلمیہ، بیروت، لبنان

☆ جلد نمبر ۳، حدیث نمبر ۴۷۷، صفحہ نمبر ۱۸۹

☆ جلد نمبر ۳، حدیث نمبر ۴۷۵، صفحہ نمبر ۱۸۹

☆ جلد نمبر ۳، حدیث نمبر ۴۹۹، صفحہ نمبر ۱۹۱

ضروری نکتہ

ریا کاری یعنی لوگوں کو دکھانے کے لیے جو عمل کیا جاتا ہے، اس کو حضور اقدس ﷺ نے شرک فرمایا، لیکن شرک ایسا نہیں کہ جس سے ایمان ختم ہو جائے، اسی لیے اس شرک کو ”شرک خفی“ یعنی ”چھپا ہوا شرک“ فرمایا۔ جس کو شرعی اصطلاح میں ”شرک اصغر“ کہا جاتا ہے۔

شرک اصغر کا عمل بے شک قابل مذمت ہے، ایسا کرنے والا سخت سے سخت عذاب کا حق دار ہے، اس کا عمل دربار الہی میں ناقابل قبول ہے، اس کا عمل اس کے منہ پر مار دیا جائے گا، ایسا عمل کرنے والے کو ثواب کے بدلے عذاب ملے گا، وہ سخت گنہگار ہے۔

لیکن --- ”اسلام اور ایمان سے خارج ہرگز نہیں، وہ گنہگار ضرور ہے لیکن مشرک یا کافر نہیں۔“

ریا کاری کا گناہ اور عذاب

عمل کے قبول ہونے کے لیے ضروری ہے کہ ہر عمل کو صرف اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی حاصل کرنے کے لیے کیا جائے، عمل میں ذرہ برابر بھی ریا آگئی، تو عمل برباد ہو گیا۔ عبادت میں اخلاص ضروری ہے، عبادت کے مقبول ہونے کا مکمل انحصار اخلاص پر ہی ہے۔ ثواب بھی اخلاص ہوگا تب ہی ملے گا۔ دکھاوا کرنے کے لیے اور لوگوں کی نگاہوں میں اپنے آپ کو نیک، متقی، پرہیزگار، عبادت گزار، ثابت کرنے کے لیے اور اپنی شہرت کے لیے عمل کرنا حرام ہے۔

ریا کار آدمی ثواب سے محروم رہنے کے ساتھ ساتھ دنیا اور آخرت میں ذلیل ہوگا۔

حدیث سَمِعَ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عَمْرٍو يَحْدِثُ ابْنُ عَمْرٍو أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ :

”مَنْ سَمِعَ النَّاسَ بَعْمَلِهِ ، سَمِعَ اللَّهُ بِهِ أَسْمَاعَ خَلْقِهِ وَ حَقَرَهُ وَ صَغَرَهُ“

حوالہ : شرح السنن، امام الحسین بن مسعود البغوی (۴۳۶-۵۱۶ھ) جلد: ۱۴، باب الریاء،

صفحہ: ۳۲۵، حدیث نمبر: ۴۱۳۸، مطبوعہ: المکتب الاسلامی، بیروت، دمشق۔

حدیث کا ترجمہ :

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس، رحمت عالم ﷺ

ارشاد فرماتے ہیں کہ :

”جو شخص لوگوں میں اپنے عمل کا چرچا کرے گا، تو اللہ تعالیٰ اس کی ریا کاری کو لوگوں میں مشہور

کر دے گا اور اس کو ذلیل اور رسوا کرے گا۔“

یہ تو ہوئی دنیا کی بدنامی اور ذلت، اب آئیے قیامت میں کیسی رسوائی ہوگی، وہ دیکھیں :

حدیث شریف :

”کچھ لوگوں کو جنت میں جانے کا حکم ہوگا، وہ لوگ جب جنت کے قریب پہنچ جائیں گے اور جنت کی خوشبو سونگھیں گے اور جنت کے محلوں کو، جنت کی نعمتوں کو دیکھیں گے، جو اللہ تعالیٰ نے جنتیوں کے لیے تیار فرمائی ہیں۔ تو پکارا جائے گا، انھیں واپس کر دو، جنت میں ان کے لیے کوئی حصہ نہیں، یہ لوگ حسرت کے ساتھ واپس ہوں گے کہ ایسی حسرت کسی کو نہیں ہوئی۔

یہ لوگ کہیں گے کہ اے رب! اگر تو نے پہلے ہی جہنم میں داخل کر دیا ہوتا اور جنت کی وہ نعمتیں جو تو نے جنت والوں کے لیے بنائی ہیں، ہم نے نہ دیکھا ہوتا، تو ہم پر آسان ہوتا۔

رب تعالیٰ کا ارشاد ہوگا کہ ہمارا مقصد ہی یہ تھا، اے بد بختو! جب تم تنہا ہوتے تھے، تو بڑے بڑے گناہ کرتے تھے اور جب لوگوں سے ملتے تھے تو بڑے نیک بنتے تھے، جو کچھ تمہارے دلوں میں ہوتا تھا، اس کے خلاف لوگوں پر ظاہر کرتے تھے، لوگوں سے تم ڈرے اور مجھ سے نہ ڈرے، لوگوں کا احترام کیا اور میرا احترام نہ کیا، لوگوں کے لیے گناہ (ظاہر میں) چھوڑے اور میرے لیے (تنہائی) میں نہ چھوڑے، لہذا آج تم کو عذاب چکھاؤں گا اور ثواب سے محروم رکھوں گا۔“

حوالہ :

(۱) کنز العمال، جلد نمبر: ۳، حدیث نمبر: ۵۳۴۷، صفحہ نمبر: ۱۸۵۔

(۲) المعجم الاوسط، مولف: حافظ ابوالقاسم سلیمان بن احمد ایوب طبرانی، متونی:

۳۶۰ھ، حدیث نمبر: ۵۴۷۸، صفحہ نمبر: ۱۳۵، ناشر: دارالکتب العلمیہ، بیروت، لبنان

یہ تو ہوئی دنیا اور آخرت کی رسوائی اور عذاب کی سزا، جو ریاکار شخص کو بھگتنا پڑے گا، لیکن ایک پھٹکار ریاکار شخص پر یہ بھی پڑتی ہے کہ اس کے چہرے پر نور اور رونق نہیں ہوتی، حالانکہ اگلی امتوں کے ریاکاروں کے چہرے مسخ ہو جاتے تھے یعنی ان کے چہرے بگڑ جاتے تھے، جانوروں کی صورت میں ان کی شکلیں تبدیل ہو جاتی تھی۔

ریا کاری کی سب سے خراب قسم یہ ہے کہ دین کا کام دنیا کمانے کے لیے کیا جائے، یعنی دنیا کا فائدہ حاصل کرنے کے لیے دین کی وضع قطع اختیار کی جائے، حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے کا ایک واقعہ جو حدیث میں درج ہے، وہ پیش خدمت ہے :

عبرت ناک واقعہ

”ایک شخص ہمیشہ حضرت سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی خدمت میں آیا کرتا تھا اور آپ کی ہدایت اور نصیحت بھری باتیں سنا کرتا تھا، وہ شخص ایک لمبے عرصہ تک اسی طرح آپ کی خدمت میں آتا رہا، پھر اچانک اس نے آنا چھوڑ دیا اور کسی مقام پر چلا گیا، وہاں جا کر اس نے دنیا کمانے کے لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حوالے سے لوگوں کو باتیں بتانے لگا، ان باتوں میں اپنی طرف سے بھی باتیں ملانے لگا، چونکہ وہ باتیں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حوالے سے بتا رہا تھا، اس لیے لوگ اس کی باتیں شوق سے سننے لگے، کافی تعداد میں لوگ اس کے پاس باتیں سننے کے لیے آنے لگے اور نذرانے اور مختلف انداز سے اس کی خدمت کرنے لگے، وہ شخص بہت بڑا دولت مند بن گیا۔

جب ایک لمبے عرصہ سے وہ شخص حضرت موسیٰ علیہ السلام کی خدمت میں آنے سے غائب رہا، تو حضرت موسیٰ نے اس کی تلاش شروع کی، لیکن اس کا کچھ بھی پتہ نہ لگا، ایک دن آپ کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا۔ اس کے ساتھ ایک خنزیر تھا اور اس خنزیر کی گردن میں کالی رسی پڑی ہوئی تھی،

اس کو وہ شخص اپنے ہاتھ میں تھامے ہوئے تھا، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس شخص سے اپنی کمشدہ خادم کے بارے میں دریافت کیا، تو اس نے کہا کہ یہ خنزیر ہی آپ کا کمشدہ خادم ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بارگاہ الہی میں دعا کی کہ اے میرے رب! اس شخص کو پھر اس کی اصلی صورت پر کر دے، تاکہ میں اس سے دریافت کر سکوں کہ اس کی صورت مسخ کیوں ہو گئی، اللہ تعالیٰ نے آپ کو خبر دی کہ اس کی صورت اس لیے مسخ کر دی گئی ہے کہ یہ دین کے ذریعہ دنیا طلب کرتا تھا۔

حوالہ : (حقیقت شرک، مصنف: محمد تکی انصاری، ناشر: ایم آئی اکیڈمی، بھاگل پور، صفحہ نمبر: ۴۹)

اس امت کو اللہ تعالیٰ کے محبوب اعظم حضور اقدس ﷺ سے نسبت ہے اور آپ کی رحمت کا اس امت کو یہ صدقہ ملا ہے کہ اب صورتیں مسخ نہیں ہوتیں، البتہ دل ضرور مسخ ہو جاتے ہیں اور اس کے نتیجے میں چہرے کا نور اور رونق ختم ہو جاتے ہیں۔ اور آدمی آہستہ آہستہ دین حق سے نکل کر کفر کے اندھیرے اور گمراہی کے راستے کی طرف چل دیتا ہے۔

ریا کاری کی مذمت میں بہت کچھ لکھا جاسکتا ہے لیکن زیادہ نہ لکھتے ہوئے، صرف ایک حدیث شریف یہاں پیش کی جاتی ہے :

حدیث شریف :

”عَنْ شَدَّادِ بْنِ أَوْسٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ فَإِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَنْ صَلَّى يَرَاءَى فَقَدْ أَشْرَكَ وَمَنْ صَامَ يَرَاءَى فَقَدْ أَشْرَكَ وَمَنْ تَصَدَّقَ يَرَاءَى فَقَدْ أَشْرَكَ“

حوالہ : مشکوٰۃ المصابیح، باب الریاء، الفصل الثالث، ص ۴۵۵، مطبوعہ: رضا اکیڈمی، بمبئی

حدیث کا ترجمہ :

”حضرت شداد بن اوس رضی اللہ تعالیٰ سے روایت ہے کہ کہا انھوں نے کہا کہ میں نے حضور

افقدس ﷺ کو یہ فرماتے سنا کہ:

”جس نے ریا کاری سے نماز پڑھی، اس نے شرک کیا، جس نے ریا کاری سے روزہ رکھا، اس نے شرک کیا، جس نے ریا کاری سے صدقہ دیا اس نے شرک کیا۔“

اس حدیث میں ریا کاری سے نماز پڑھنے والے کو، ریا کاری سے روزہ رکھنے والے کو اور ریا کاری سے صدقہ کرنے والے کو شرک کرنے والا فرمایا گیا ہے، اس کا مطلب ہرگز نہیں کہ وہ کافر اور مشرک ہو کر اسلام سے خارج ہو گیا، یہاں شرک سے مراد ہرگز شرک اکبر نہیں بلکہ شرک اصغر ہے۔ شرک اکبر اس کو کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی دوسرے کو عبادت کے لائق سمجھ کر اس کی عبادت کی جائے، یہ کھلا ہوا یعنی شرک جلی ہے۔ اس کے کرنے سے بے شک کرنے والا اسلام و ایمان سے خارج ہو جائے گا۔

لیکن ریا کاری کی عبادت کو بھی شرک کہا گیا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ ریا کاری سے عبادت کرنے والا اللہ تعالیٰ کے سوا کسی دوسرے کی ہرگز عبادت نہیں کرتا، وہ صرف اللہ تعالیٰ ہی کی عبادت کرتا ہے، غیر خدا یعنی اللہ تعالیٰ کے سوا کسی دوسرے کی عبادت کو شرک سمجھتا ہے۔ شرک سے نفرت کرتا ہے۔ پھر بھی اسے شرک کرنے والا اس لیے کہا گیا ہے کہ اس کی عبادت میں اخلاص نہیں رہا، بے شک وہ صرف اللہ تعالیٰ ہی کی عبادت کرتا ہے۔ مگر اس کی عبادت میں دنیا کے مفاد اور حرص کی آمیزش آگئی ہے۔ اس آمیزش کی وجہ سے عبادت کا اصل مقصد یعنی اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور رضا مندی ختم ہوگئی۔ لوگوں کی نظروں میں اچھا دکھانے کی لالچ کی ملاوٹ آگئی اور اس لالچ کا نام ہی ریا کاری۔ ریا کاری کیسا قابل مذمت کام ہے، اس کا ذکر ہم کر چکے، یہ ایسا شرمناک فعل ہے کہ ہمارے پیارے آقائے رحمت رسول اللہ ﷺ نے اپنے امتیوں کو اس برائی سے بچانے کے لیے ایسے سخت الفاظ میں اس کی برائی بیان فرمائی کہ اس کو سن کر ہر شخص ریا کاری کے ارتکاب سے بچنے کی ہر ممکن کوشش کرے۔ ریا

کاری کو شرک کہہ کر اس سے ڈرایا گیا ہے۔ ریا کار شخص کو زجر یعنی ڈرانے کے لیے شرک کرنے والا کہا گیا ہے۔ حکماً نہیں کہا گیا، یعنی اس پر مشرک ہونے کا حکم نہیں لگے گا، ہاں یہ بات بھی ضرور ہے کہ وہ سخت گنہگار ہے۔ اس کی عبادت کوئی معنی نہیں رکھتی، قیامت کے دن اس کی عبادت اس کے منہ پر مار دی جائے گی۔ لیکن، اس کو کافر یا مشرک نہیں کہا جائے گا۔

ثابت ہوا کہ :

- شرک اکبر (شرک جلی) یعنی کھلا ہوا شرک سے آدمی کافر مشرک ہو کر اسلام سے اور ایمان سے نکل جاتا ہے۔
- شرک اصغر (شرک خفی) سے آدمی کافر یا مشرک ہو کر اسلام اور ایمان سے نہیں نکل جاتا۔

منافقوں کا ظلم و ستم: ایمان والوں پر شرک کے فتوے

اس وقت آپ جس کتاب ”قرآنی درس توحید“ کا جواب پڑھ رہے ہیں، یہ کتاب مولوی اسماعیل دہلوی کی رسوائے زمانہ کتاب ”تقویۃ الایمان“ (اردو) کا ہندی ترجمہ ہے۔ بلکہ کچھ جملے تو حرف بہ حرف تقویۃ الایمان کے نقل کیے گئے ہیں۔

”تقویۃ الایمان“ کتاب کے مصنف ”مولوی اسماعیل دہلوی“ وہابی، دیوبندی، تبلیغی جماعت کے پیشوا اور امام ہونے کے ساتھ ساتھ اہل حدیث (غیر مقلد) جماعت کے بھی معتبر پیشوا اور امام ہیں۔

مولوی اسماعیل کی کتاب ”تقویۃ الایمان“ چھپنے کے بعد ہی ہندوستان میں وہابیت اور بد مذہبیت پھیلی ہے۔ مولوی اسماعیل دہلوی کی حیثیت وہابیوں اور اہل حدیث (غیر مقلدین) کے نزدیک ”امام اول فی الہند“ کی ہے۔ مولوی اسماعیل دہلوی نے اپنی کتاب ”تقویۃ الایمان“ میں بڑی

نا انصافی سے کام لیا ہے۔ ایسا سخت تشدد کیا ہے کہ آدمی کانپ اٹھے، جو باتیں ”شُرکِ خفی“ کی تھی، ان کو ”شُرکِ جلی“ لکھ دیا۔ یعنی جن باتوں سے آدمی صرف گنہ گار ہوتا تھا، ان باتوں کی وجہ سے انھیں کافر و مشرک بنا دیا، جائز کاموں پر بھی شرک کے فتوے لگا دیے، ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں کی تعداد میں ایمان والوں کو کافر اور مشرک ٹھہرا دیا، شرک کے فتوے کا طوفان برپا کر کے فتنہ و فساد کی آندھی پھونک دی، خود مولوی اسماعیل دہلوی نے اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ میں نے اپنی کتاب ”تقویۃ الایمان“ میں تشدد سے کام لیا ہے۔ اس حقیقت کو وہابی دیوبندی جماعت کے حکیم الامت مولوی اشرف علی صاحب تھانوی نے اس طرح بیان کیا ہے کہ:

”مولوی اسماعیل صاحب نے تقویۃ الایمان اول عربی میں لکھی تھی۔ چنانچہ اس کا ایک نسخہ میرے پاس اور ایک نسخہ مولانا گنگوہی کے پاس اور ایک نسخہ مولوی نصر اللہ خاں خورجوری کے کتب خانہ میں بھی تھا۔ اس کے بعد مولانا نے اس کو اردو میں لکھا۔ اور لکھنے کے بعد اپنے خاص خاص لوگوں کو جمع کیا۔ جن میں سید صاحب، مولوی عبداللہ صاحب، شاہ اسحاق صاحب، مولانا محمد یعقوب صاحب، مولوی فرید الدین صاحب مراد آبادی، مومن خاں، عبد اللہ خاں علوی (استاذ امام بخش صہبائی و مملوک علی صاحب) بھی تھے۔ اور ان کے سامنے تقویۃ الایمان پیش کی اور فرمایا کہ میں نے یہ کتاب لکھی ہے اور میں جانتا ہوں کہ اس میں بعض جگہ ذرا تیز الفاظ بھی آگئے ہیں اور بعض جگہ تشدد بھی ہو گیا ہے۔ مثلاً ان امور کو جو شرکِ خفی تھے شرکِ جلی لکھ دیا گیا ہے۔ ان وجوہ سے مجھے اندیشہ ہے کہ اس کی اشاعت سے شورشِ ضرور ہوگی۔ اگر میں یہاں رہتا تو ان مضامین کو میں آٹھ دس برس میں بتدریج بیان کرتا لیکن اس وقت میرا ارادہ حج کا ہے اور وہاں سے واپسی کے بعد عزمِ جہاد ہے۔ اس لیے اس کام سے معذور

ہوں اور میں دیکھتا ہوں کہ دوسرا اس بار کو اٹھائے گا نہیں۔ اس لیے میں نے یہ کتاب لکھ دی ہے۔ گو اس سے شورش ہوگی مگر توقع ہے کہ لڑ بھڑ کر خود ٹھیک ہو جائیں گے۔ یہ میرا خیال ہے۔ اگر آپ حضرات کی رائے اشاعت کی ہو، تو اشاعت کی جائے، ورنہ اسے چاک کر دیا جائے۔ اس پر ایک شخص نے کہا کہ اشاعت تو ضرور ہونی چاہیے۔ مگر فلاں فلاں مقام پر ترمیم ہونی چاہیے۔ اس پر مولوی عبداللہ صاحب، شاہ اسحاق صاحب اور عبد اللہ خاں علوی و مومن خاں نے مخالفت کی اور کہا کہ ترمیم کی ضرورت نہیں۔ اس پر آپس میں گفتگو ہوئی اور گفتگو کے بعد بالاتفاق یہ طے پایا کہ ترمیم کی ضرورت نہیں ہے اور اسی طرح شائع ہونی چاہیے۔ چنانچہ اس کی اشاعت اسی طرح ہوئی۔“

حوالہ: حکایات اولیاء، از اشرف علی تھانوی، حکایت نمبر: ۵۹، صفحہ: ۸۳، ۸۴

مطبوعہ: زکریا بک ڈپو، دیوبند، سہارن پور۔ یو پی

کتاب ”حکایت اولیاء“ کی اس عبارت کو صرف ایک دو مرتبہ نہیں بلکہ کئی مرتبہ توجہ اور غور و فکر کے ساتھ پڑھیں، اس عبارت میں ان جملوں پر خصوصی توجہ دیں، جیسا کہ مصنف نے بذات خود تسلیم کرتے ہوئے کہا کہ:

- ”میں جانتا ہوں کہ اس کتاب میں بعض جگہ ذرا تیز الفاظ بھی آگئے ہیں، اور بعض جگہ تشدد بھی ہو گیا ہے۔“
- ”ان امور کو جو شرکِ خفی تھے، شرکِ جلی لکھ دیا گیا ہے۔“
- ”ان وجوہ سے مجھے اندیشہ ہے کہ اس کی اشاعت سے شورشِ ضرور ہوگی۔“
- ”گو اس سے شورش ہوگی، مگر توقع ہے کہ لڑ بھڑ کر خود ٹھیک ہو جائیں، یہ میرا خیال ہے۔“
- ”واقعہ کو بیان کرنے کے بعد آخر میں مولوی اشرف علی تھانوی صاحب نے لکھا ہے کہ:

چنانچہ اس کی اشاعت اس طرح ہوئی۔“

■ اب آئیے! ان جملوں پر ٹھنڈے دل سے سوچیں۔

① ”میں جانتا ہوں کہ اس میں بعض جگہ ذرا تیز الفاظ بھی آگئے ہیں اور بعض جگہ تشدد بھی ہو گیا ہے۔“

اس جملے میں مصنف کا ”اقبال جرم“ ثابت ہو رہا ہے۔ ”میں جانتا ہوں“ کہہ کر مصنف تسلیم کر رہا ہے کہ اس کتاب ”تقویۃ الایمان“ میں نے تیز الفاظ اور تشدد کا جو جرم کیا ہے، وہ غلطی سے نہیں ہوا بلکہ میں نے جان بوجھ کر کیا ہے۔ لاعلمی میں یا کسی طرح کے جذبات سے متاثر ہو کر غلطی نہیں ہوئی، بلکہ مجھے معلوم ہے، سوچ سمجھ کر ہی میں نے لکھا ہے، بے خیالی سے میرا قلم بہکا نہیں ہے، جو بھی لکھا ہے، وہ میری سوچ و فکر کا ہی نتیجہ ہے، اسی لیے تو کہا کہ میں ”میں جانتا ہوں۔“

کیا جانتا ہوں؟ یہی کہ میں نے اس کتاب میں تشدد یعنی زیادتی کی ہے۔ تشدد کا معنی جبر ہوتا ہے اور جبر کے معنی ہے ظلم و ستم۔ یعنی مولوی اسماعیل نے اپنی کتاب کے ذریعہ امت اسلامیہ پر ظلم و ستم کیا ہے، اور وہ ظلم ستم کیا ہے؟

② ”ان امور کو جو شرک خفی تھے، شرک جلی لکھ دیا گیا ہے۔“

حد کردی!!! امور کا مطلب لغت میں ”بہت سے کام“ ہوتا ہے، حوالے کے لیے دیکھو ”فیروز اللغات“ صفحہ نمبر ۱۲۲۔ یعنی بہت سے ایسے کام جو ”شرک خفی“ کے تھے، ان کاموں کو ”شرک جلی“ لکھ دیا۔ جس کا صاف مطلب یہی ہوا کہ جن کاموں کے کرنے سے آدمی مشرک اور کافر نہیں ہوتا بلکہ مسلمان ہی باقی رہتا ہے، البتہ گنہ گار ضرور ہوتا ہے، لیکن اسلام سے خارج نہیں ہوتا، ایسے کاموں کے کرنے والے لاکھوں مسلمانوں کو قلم کے صرف ایک ہی جھٹکے سے کافر اور مشرک بنا دیا۔ شرک کے فتوے کی مشین گن چلا کر لاکھوں کے ایمان کو نیست و نابود کر دیا۔

یہاں ایک بات کی وضاحت کر دینا ضروری ہے، مولوی اسماعیل دہلوی نے صرف ”شرک“ کے کاموں پر ہی ”شرک جلی“ کا فتویٰ نہیں دیا، بلکہ صدیوں سے جو جائز اور مستحب کام ملت اسلامیہ

میں رائج تھے، ان کاموں پر بھی ”شرک“ کے فتوے کی مشین گن چلا دی۔ اس امت کے جلیل القدر صحابہ، اولیاء، صلحاء، صوفیاء، علماء، محدثین، علمائے مجتہدین، مشائخ اور رہبر دین جن کاموں کو اسلام کے ابتدائی دور سے کرتے آئے اور ان کاموں کو کرنے کی نصیحتیں اور وصیتیں کی تھیں، ان تمام کاموں پر بھی بے دردی سے شرک کا فتویٰ صادر کر دیا۔

③ ”ان وجوہ سے مجھے اندیشہ ہے کہ اس کی اشاعت سے شورش ضروری ہوگی۔“

تقویۃ الایمان کتاب کا مصنف خود بھی اس حقیقت کو قبول کر رہا ہے کہ میں نے اپنی کتاب میں جائز اور مستحب کاموں پر شرک کے اندھا دھند فتوے تھوپ کر جو ظلم و ستم کیا ہے، اس وجہ سے مجھے اندیشہ ہے کہ اس کتاب کی اشاعت سے شورش ضرور ہوگی۔ شورش کا مطلب لغت میں ● فتنہ، ● فساد ● بلوی ● ہنگامہ (حوالہ: فیروز اللغات، صفحہ نمبر ۸۴۹) ہوتا ہے۔ یعنی خود مولوی اسماعیل دہلوی کو بھی ڈر تھا، کہ میری کتاب چھپتے ہی فتنے، فساد، بلوے اور ہنگامے شروع ہو جائیں گے۔ صرف احتمال نہیں تھا، بلکہ یقین تھا کہ کتاب چھپتے ہی بڑی بڑی ہوگی۔ اسی لیے تو کہا کہ ”شورش ضرور ہوگی“ یہ نہیں کہا کہ شورش ہوگی بلکہ ”ضرور“ کا لفظ بول کر یقین کے ساتھ کہا کہ میری کتاب چھپتے ہی ضرور فتنے، فساد کی آندھی چلے گی۔

مگر مولوی اسماعیل دہلوی کو اس کی کوئی پروا نہیں، مذہب کے نام پر شروع ہونے والے فتنے و فساد اور جھگڑے کے ذریعہ مسلم اتحاد پارہ پارہ ہونے کا کوئی افسوس نہیں، دہلوی صاحب کی سنگدلی کا اندازہ تو اس بات سے آجاتا ہے کہ قوم ملت کے درمیان شروع ہونے والے فتنے فساد اور جھگڑوں کو وہ ہلکے پھلکے ہو کر نظر انداز کرتے ہوئے یہاں تک کہتے ہیں کہ:

④ ”گو اس سے شورش ہوگی مگر توقع ہے کہ لڑ بھڑ کر خود ٹھیک ہو جائیں گے، یہ میرا خیال ہے۔“

یعنی میری کتاب چھپنے سے ہنگامہ اور گڑ بڑی ہوگی، مگر توقع ہے کہ لڑ بھڑ کر خود ٹھیک ہو جائیں گے، جب کتاب کے چھپنے سے ہونے والے فتنے و فساد کا معاملہ درپیش تھا، تب یقین کیساتھ کہا کہ

”شورش ضرور ہوگی“ لیکن فتنہ و فساد کے ختم ہونے کا معاملہ آیا تو صرف ”توقع“ یعنی امید ظاہر کی جاتی ہے۔ اور یہ امید بھی کیسے کی جاتی ہے ”لڑ بھڑ کر خود ٹھیک ہو جائیں گے“

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ لڑ بھڑ کر خود ٹھیک ہو جانے والے لوگ کون تھے؟ کیا ”تقویۃ الایمان“ چھپنے سے ہندو مسلم فساد ہونے والے تھے؟ کیا ہندوؤں اور سکھوں میں دنگے ہونے والے تھے؟ کیا مسلم عیسائی جنگ ہونے والی تھی؟ کیا مسلمانوں اور یہودیوں کے درمیان ہنگامہ آرائی ہونے والی تھی؟ نہیں، ہرگز نہیں، کیوں کہ اس کتاب کی اشاعت سے دیگر مذہب و ملت کے لوگوں کو کچھ نسبت نہ تھی، ہاں اگر نسبت تھی تو صرف مسلم قوم کو تھی، کیوں کہ یہ کتاب قرآن اور حدیث کے حوالے سے لکھی گئی تھی اور قرآن کی آیتوں اور احادیث کے غلط تراجم کر کے اور اس سے غلط استدلال کر کے صدیوں سے ملت اسلامیہ میں رائج کاموں پر کفر، شرک، بدعت، حرام اور ناجائز کے فتوے مارے گئے تھے، اس کتاب میں انبیائے کرام اور اولیائے عظام کی شان میں جو گستاخانہ جملے لکھے گئے تھے، وہ کسی مسلمان کے لیے ناقابل برداشت تھے۔

انبیائے کرام اور اولیائے عظام کی عقیدت اور محبت کے جذبہ سے جائز اور مستحب کاموں کے کرنے والے لاکھوں نہیں بلکہ کروڑوں اہل ایمان لوگوں کو قلم کے ایک جھٹکے سے کافر اور مشرک ٹھہرایا گیا تھا، نتیجہ یہ آیا کہ ملت اسلامیہ کے درمیان ایک عظیم فتنہ برپا ہو گیا، قوم مسلم کی اکثریت نے اس کتاب کی مخالفت کی اور ہر جگہ اس کتاب کی وجہ سے فتنہ اور فساد کی آندھی چلی۔

گھر گھر میں خانہ جنگی، محلے میں تناؤ، مسجدوں میں مار پیٹ، مدرسوں میں لڑائی، برادری میں اختلاف، دوستوں میں نظریات کا تضاد، بھائی بھائی میں مذہبی تنازعہ، باپ بیٹے میں عقیدے کی مخالفت اور مذہب کے نام پر ہونے والے دنگے فساد کی وجہ سے مسلم وحدت پارہ پارہ ہو گئی، پورے ملک میں اختلاف اور جھگڑے کی آگ پھیل گئی، عام لوگوں کے ساتھ ساتھ عالموں میں بھی ہل چل مچ گئی ”تقویۃ الایمان“ کتاب کی اشاعت میں انگریزوں نے بھرپور امداد کی، لاکھوں کی تعداد میں یہ کتاب

چھاپ کر مسلمانوں کے ہر گھر میں مفت پہنچائی گئی، اس کتاب نے قوم مسلم سے دن کا چین اور رات کی نیند چھین لی، قوم کا اتحاد اور اتفاق اختلاف کی آگ میں جل کر راکھ ہو گیا۔

بس اس وقت یعنی مولوی اسماعیل دہلوی کی کتاب ”تقویۃ الایمان کی اشاعت کے وقت سے مسلمانوں میں مذہب کے نام سے جو لڑائی شروع ہوئی تھی، وہ اب تک جاری ہے۔ اس وقت سے لیکر آج تک مسلمان لڑ بھڑ رہے ہیں۔ مولوی دہلوی نے تو یہ کہہ کر ”لڑ بھڑ کر خود ٹھیک ہو جائیں“ لڑایا تھا، لیکن یہ لڑائی ابھی تک جاری ہے۔ اور نہ جانے کب تک جاری رہے گی؟ یہاں پر کچھ باتیں سوچنے کے قابل ہیں :

- مولوی اسماعیل دہلوی کو یقین کے درجہ میں معلوم تھا، کہ میری کتاب ”تقویۃ الایمان“ حقیقت میں خطرناک کتاب ہے، اسی لیے تو چھاپنے سے پہلے انھوں نے اپنے خاص دوستوں اور خیر خواہوں کی میننگ بلائی اور ان کے سامنے تسلیم کیا کہ میری کتاب چھپتے ہی مسلمانوں میں فتنہ، فساد، جھگڑا، اور ہنگامہ ہوگا، صرف ہوگا نہیں بلکہ ”ضرور ہوگا“
- مولوی اسماعیل دہلوی کے تشدد اور زیادتی کی سنگینی سے خائف اور فکر مند ہو کر بعض احباب نے یہ مشورہ بھی دیا کہ فلاں فلاں مقام پر ترمیم ہونی چاہیے۔ لیکن ان کی بات نہیں مانی گئی، آپس میں گفت و شنید کرنے کے بعد مسلمانوں کو آپس میں لڑانے والی خطرناک کتاب ”تقویۃ الایمان“ کو مولوی اشرف علی تھانوی صاحب کے قول کے مطابق ”چنانچہ اس کی اشاعت اسی طرح ہوئی“، یعنی کسی بھی طرح کی تحریف کے بغیر اس کو شائع کر دیا گیا، نتیجہ کی کوئی پرواہ نہیں کی گئی، مسلمان آپس میں لڑیں، یا مریں، انھیں لڑنے دو، مرنے دو۔
- ثابت ہوا کہ مسلمانوں کو آپس میں لڑانے کی ابتداء وہابی دیوبندی فرقہ کے پیشواؤں نے کی ہے۔
- شرک خفی کی باتوں پر شرک جلی کا فتویٰ لگا کر کروڑوں کی تعداد میں ایمان والوں کو جبرستی کافر اور مشرک بنایا گیا ہے۔
- مسلم اتحاد کو پاش پاش کرنے کا جرم وہابی دیوبندی فرقہ کے مولویوں نے کیا اور کر رہے ہیں۔

شُرک کا حکم ہر شریعت میں ہمیشہ مساوی رہا ہے

ہر نبی اور ہر رسول الگ الگ دور میں دنیا میں تشریف لائے اور ہر نبی اور رسول نے اپنے امتیوں کو اللہ کی توحید کا پیغام دیا، اللہ کی توحید کے پیغام میں ہی شرک سے بچنے کا پیغام شامل ہو گیا، اللہ تعالیٰ کی توحید رسول کی رسالت، قیامت، حساب و کتاب، جنت اور دوزخ، ان کے علاوہ وہ باتیں جن کا تعلق عقیدے سے ہے، وہ ساری باتیں اپنی امت کو تعلیم کرنے کے ساتھ ساتھ عبادت، اخلاق، نیکی کے کام کی ترغیب دینا، برائی کے کاموں سے روکنا اور تعلیمی، سماجی، اقتصادی، معاشی وغیرہ سے تعلق رکھنے والے امور کے متعلق شرعی اصول اور قانون اپنی امت کو سکھائے۔

لیکن ان تمام رشد و ہدایت کا اصل الاصول اللہ تعالیٰ کی توحید کے عقیدے پر تھا، اللہ کی توحید کے تعلق سے ہم نے پچھلے صفحات میں تفصیلی بحث کر لی ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ایک تسلیم کر کے، اس کو ہی عبادت کے لائق سمجھنا اور اللہ تعالیٰ کے سوا کسی دوسرے کی پرستش سے بچنا، یہ عقیدہ ہر مومن کے لیے ضروری ہے۔ اس کے برعکس کرنا شرک ہے۔

شرک ایک ایسا گھنونا اور ناپسندیدہ فعل ہے، کہ قرآن مجید میں کئی مقام پر اس کی مذمت کی گئی ہے۔ ہر نبی اور رسول نے اپنے امتیوں کو شرک کے ارتکاب سے بچنے کی سخت الفاظ میں تاکید کی ہے۔ کن باتوں سے شرک ہو جاتا ہے اور کن باتوں سے نہیں ہوتا، اس کی تفصیلی معلومات بتائی، لوگوں کو شرک کے کاموں سے ڈرایا اور ساتھ میں اللہ تعالیٰ کے فرامین پر عمل کرنے کی بھی تہنیت کی۔

مذکورہ باتوں کو ہم دو حصوں میں تقسیم کریں گے۔

① وہ باتیں جو عقائد سے تعلق رکھتی ہیں۔ ان کو ہم اصولی باتیں کہیں گے، جن پر ایمان کا مدار ہے، یعنی جن باتوں کے ماننے یا نہ ماننے سے آدمی مومن یا کافر کہلاتا ہے۔

② وہ باتیں جو عمل سے تعلق رکھتی ہیں، جن کو ہم فروعی باتیں کہیں گے۔ جن پر شریعت کی پابندی کا

مدار ہے۔ یعنی جن کے کرنے یا نہ کرنے سے آدمی نیک یا بد کہلاتا ہے۔

عقیدے اور عمل پر مشتمل باتوں میں سے عقیدے کی باتیں زیادہ اہمیت رکھتی ہیں، اور عقیدوں میں سب سے زیادہ اہمیت اللہ تعالیٰ کی توحید کی ہے، کیوں کہ تمام انبیائے کرام نے سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کی توحید کا ہی پیغام دیا ہے۔ ہر نبی اور رسول نے ”لا اِلهَ اِلاَّ اللهُ“ کا پرچم بلند فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی توحید کے اقرار کے بعد اپنی رسالت کو منوایا ہے۔ ہمارے آقا و مولیٰ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے بھی سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کی توحید کا ہی پیغام دیا ہے۔

﴿لَا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللهِ﴾

اس کلمہ شریف میں پہلے توحید کا اور پھر رسالت کا اقرار ہے اور ذرا کلمہ شریف کے ترجمہ کی طرف غور کریں کہ ”نہیں ہے کوئی معبود مگر اللہ تعالیٰ اور حضرت محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔“ کلمہ شریف کے اقرار میں اللہ تعالیٰ کی توحید کا اقرار اس طرح کرایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو ”اِله“ یعنی ”معبود“ یعنی عبادت کے لائق ہونے کا انکار کرایا گیا ہے، کتنا پیارا انداز ہے۔ انکار کے ذریعہ اقرار کرایا گیا ہے یعنی اوروں کے معبود ہونے کا انکار کرنا اللہ تعالیٰ کے معبود ہونے کا اقرار کرایا جا رہا ہے۔ اسی کا نام توحید ہے۔ اس کے خلاف یعنی اللہ تعالیٰ کے سوا کسی دوسرے کو ”معبود“ ماننا شرک ہے۔ توحید اور شرک، یہ دونوں متضاد بات ہیں، ایک کی موجودگی میں دوسرے کا ہونا محال ہے۔ توحید کا عقیدہ اپنا یا شرک ختم ہو گیا، شرک کا کوئی کام یا عقیدہ اپنا یا توحید کا عقیدہ ختم ہو گیا، توحید اور شرک ایک ساتھ جمع نہیں ہو سکتے۔ شرک کا کام اور عقیدہ ایمان کو جلا کر رکھ کر دیتا ہے۔ ایمان کی حفاظت کے لیے شرک سے بچنا نہایت ضروری ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کی ہدایت اور رہبری کے لیے قرآن مجید میں کئی مقام پر شرک کی مذمت اور برائی بیان فرمائی ہے اور اپنے بندوں کو شرک سے بچنے کی سخت تاکید فرمائی ہے۔

چند آیتیں پیش خدمت ہیں :

■ ﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ﴾ (پارہ ۵، سورہ نساء، آیت نمبر ۱۱۶)

ترجمہ : ”اللہ سے نہیں بخشا کہ اس کا کوئی شریک ٹھہرایا جائے۔“ (کنز الایمان)

■ ﴿لَا تُشْرِكْ بِاللَّهِ ط إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ﴾ (پارہ ۱۲، سورہ لقمان، آیت نمبر ۱۳)

ترجمہ : ”اللہ تعالیٰ کا کسی کو شریک نہ کرنا بے شک بڑا ظلم ہے۔“ (کنز الایمان)

■ ﴿وَاعْبُدُوا اللَّهَ وَلَا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا﴾ (پارہ ۵، سورہ نساء، آیت نمبر ۳۶)

ترجمہ : ”اور اللہ کی بندگی کرو اور اس کا شریک کسی کو نہ ٹھراؤ۔“ (کنز الایمان)

■ ﴿وَمَنْ يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا بَعِيدًا﴾ (پارہ ۵، سورہ نساء، آیت نمبر ۱۱۶)

ترجمہ : ”اور جو اللہ کا شریک ٹھہرائے، وہ دور کی گمراہی میں پڑا۔“ (کنز الایمان)

■ ﴿قُلْ إِنَّمَا أُمِرْتُ أَنْ أَعْبُدَ اللَّهَ وَلَا تُشْرِكُ بِهِ﴾ (پارہ ۱۳، سورہ رعد، آیت نمبر ۳۶)

ترجمہ : ”تم فرماؤ، مجھے تو یہی حکم ہے کہ اللہ کی بندگی کرو اور اس کا شریک نہ ٹھہراؤ۔“ (کنز الایمان)

ایسی تو کئی آیتیں قرآن مجید میں ہیں، ان تمام آیتوں سے یہی پتہ چلتا ہے کہ شرک ایسا گندہ عقیدہ اور بڑا گناہ ہے، جو اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ ناپسند ہے۔ شرک کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی توحید کا عقیدہ ختم ہو جاتا ہے۔

ضروری نکتہ :

شرک ایسا شرمناک کام ہے کہ اس کا حکم ہمیشہ ایک سا ہی رہا ہے۔ یعنی شرک ہمیشہ شرک ہی رہا ہے۔ ازل سے لے کر اب تک، شرک ہمیشہ ایک ہی حکم میں رہا ہے۔ شرک کے احکام میں کسی قسم کی کوئی تبدیلی یا ترمیم نہ کبھی ہوئی ہے اور نہ کبھی ہو سکتی ہے۔ شرک ہر حال میں شرک تھا، اور ہے اور رہے گا۔

جو کام ہمیشہ شریعت یعنی شریعت محمدی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں شرک ہے، وہ کام اگلی تمام شریعتوں میں بھی شرک ہی تھا، ایسا کبھی نہ ہوا کہ اگلی شریعت میں جو کام شرک کے حکم میں تھا، اب وہ حکم منسوخ ہو کر وہ شرک کا کام جائز ہو گیا، یا جو کام اگلی شریعت میں جائز تھا، اب وہ کام شرک ہو گیا۔ بلکہ شرک کا حکم ہر زمانے اور ہر شریعت میں برابر ہی رہا ہے۔ جو کام حضرت آدم علیہ السلام کی شریعت میں شرک کے حکم میں تھا، وہی کام حضرت آدم سے لیکر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک کی تمام شریعتوں میں اور حضرت عیسیٰ کی شریعت سے لیکر حضور اقدس ﷺ کی شریعت میں بھی شرک کے حکم میں تھا اور ہے۔ اسی طرح شرک کا حکم تمام مخلوق کے لیے ایک ہی سا حکم رکھتا ہے۔ یعنی جس کام کا کرنا انسان کے لیے شرک کا حکم رکھتا ہے، وہی کام جنات، فرشتے اور ہر ذی شعور کے لیے بھی شرک کا حکم رکھتا ہے۔ ایسا کبھی نہیں ہوا اور نہ کبھی ہو سکتا ہے کہ جو کام انسانوں کے لیے شرک ہونے کی وجہ سے ممنوع ہے وہی کام جنات اور فرشتوں کے لیے شرک نہ ہونے کی وجہ سے جائز ہے۔

بلکہ.....

انسان، جنات، فرشتے، حور، غلمان، تمام کے لیے شرک کا حکم یکساں ہے، کسی ذی شعور مخلوق کو کسی بھی زمانے میں، کسی بھی عالم میں، کسی بھی حالت میں، کسی بھی جگہ، کسی بھی وقت اور کسی بھی شریعت میں، اللہ تعالیٰ کی توحید میں کسی کو بھی اور کسی بھی طرح سے شریک کرنا اور انہیں اور ایسا کام کرنے والا اور ایسے کام کو روا رکھنے والا شخص خلاف توحید، مشرک اور جہنم کے دردناک عذاب اور اللہ تعالیٰ کی لعنت کا حق دار ہے۔

حلال اور حرام کے حکم میں تبدیلیاں ہوتی ہیں

جو کام عقیدے کے تعلق سے ہیں، ان کے حکم میں کبھی بھی تبدیلیاں نہیں ہوتی ہیں، اور نہ ہو سکتی ہے، جیسے کہ شرک کا کام، لیکن جن کاموں کا تعلق عمل سے ہے یعنی ان کاموں کا کرنا جائز یا ناجائز ہے، ایسے کاموں کے حلال یا حرام اور جائز یا ناجائز کے حکم میں تبدیلیاں ہوتی ہیں۔ مثال کے طور پر:

- کچھ کام اگلی شریعت میں جائز تھے، وہ کام اب اس شریعت میں حرام ہیں۔
- کچھ کام اگلی شریعت میں حرام تھے، وہ کام اب اس شریعت میں حلال ہیں۔
- کچھ کام ابتدائے اسلام میں ہماری شریعت میں جائز تھے، وہ اب ہماری ہی شریعت میں حرام ہیں۔
- بلکہ آج بھی ہماری اس شریعت میں کچھ کام بعض لوگوں کے لیے جائز ہیں، وہی کام بعض کے لیے ناجائز ہیں۔
- اس شریعت میں آج بھی کچھ کام بعض کے لیے حرام ہیں، وہ کام بعض کے لیے حلال ہیں۔
- ان باتوں کو اچھی طرح سمجھنے کے لیے کچھ مثالیں پیش خدمت ہیں:
- حضرت آدم علیہ السلام کا جب ماں حوا رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نکاح ہوا اور آپ کی نسل چلی، تو ہمیشہ حضرت حوا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے لطن اطہر سے جڑوا بچے ہی پیدا ہوتے تھے، ان میں سے ایک لڑکا ہوتا تھا اور ایک لڑکی ہوتی تھی، انسانی نسل کی بقا اور فروغ کے لیے حضرت آدم کی شریعت میں یہ قانون تھا کہ ایک جوڑی کے لڑکے کا دوسری جوڑی کی لڑکی کے ساتھ نکاح جائز تھا، حالاں کہ وہ دونوں لڑکا اور لڑکی ایک ہی باپ اور ایک ہی ماں کی اولاد ہونے کی وجہ سے حقیقی (سگے) بھائی بہن تھے، مگر پھر بھی ان کا آپس میں نکاح کرنا جائز تھا۔
- لیکن اب شریعت محمدی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں اس طرح نکاح کرنا حرام ہے۔

- حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں اونٹ کا گوشت کھانا اور شنبہ کے دن مچھلی کا شکار کرنا حرام تھا، لیکن ہماری شریعت میں یہ دونوں کام حلال ہیں۔
- ابتدائے اسلام میں عورت کو بے پردہ نکلنا جائز تھا، لیکن اب ناجائز ہے، اسی طرح اسلام کے ابتدائی دور میں شراب پینا حلال تھا، لیکن اب شراب پینا ایسا سخت حرام ہے کہ شراب پینے والے کو ۸۰ راسی کوڑے لگائے جائیں گے۔
- رمضان کے مہینے میں رات میں بھی اپنی زوجہ سے ہمبستری کرنا ہماری شریعت میں شروع کے دور میں حرام تھا، لیکن اب حلال ہے۔
- اس شریعت میں مرد کو سونا پہننا حرام ہے، جب کہ عورت کے لیے جائز ہے۔
- اس شریعت میں مرد کے لیے سر کے بال کٹانا یا منڈھانا جائز ہے اور عورت کے لیے حرام ہے۔
- ایسی تو بہت مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں، کہ حلال اور حرام کے قانون میں اگلی شریعتوں میں اور ہماری شریعت میں بلکہ ہماری ہی شریعت میں بھی ابتدائی دور میں اور پھر بعد میں حلال اور حرام کے حکموں میں تبدیلیاں ہوتی ہیں، لیکن شرک ایسا گندہ اور نفرت آمیز فعل ہے کہ جس کو کسی بھی شریعت میں اور کسی بھی وقت میں روا نہیں رکھا گیا۔ اسی وجہ سے جو کام اگلی شریعت میں شرک کے حکم میں تھا، وہ کام ہماری شریعت میں بھی شرک ہے اور جو کام آج ہماری شریعت میں شرک ہے، وہ کام اگلی شریعت میں بھی شرک تھا۔
- بلکہ انسان کے وجود سے پہلے جب کہ صرف فرشتوں اور جناتوں کا وجود تھا، تب بھی ان کے حق میں جو کام شرک تھے، وہ کام وجود انسان کے بعد حضرت آدم علیہ السلام کی شریعت اور اب تک وہ کام شرک ہی کے حکم میں ہیں اور ہمیشہ کے لیے شرک کے حکم میں ہی رہیں گے، مختصر یہ کہ شرک کا کام ازل سے لیکر ابد تک شرک کے ہی حکم میں رہا تھا، رہا ہے اور رہے گا۔ اللہ تعالیٰ نے شرک کے کسی بھی کام

کو کبھی روا نہیں رکھا اور نہ کبھی روار کھے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے کبھی بھی شرک کے کسی بھی کام کا حکم نہیں دیا اور نہ کبھی دے گا، فرشتوں کو حضرت آدم کو سجدہ کرنے کا حکم دیا تھا، وہ ہرگز شرک نہیں تھا، اس کی تفصیل آئندہ صفحات میں ملاحظہ فرمائیں۔

توحید اور شرک کو اچھی طرح سمجھنے کے لیے ذاتی اور عطائی کا فرق سمجھنا ضروری ہے :

ہر مومن اپنے توحید کے عقیدے کی حفاظت کرنے کی حد درجہ کوشش کرتا ہے اور توحید کے عقیدے کی حفاظت کے لیے شرک سے بچنا نہایت ضروری ہے۔ کیونکہ شرک کے اعتقاد اور ارتکاب سے ایمان برباد ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی توحید، ایمان اور عقیدے کی اصل ہے اور اس مقدس توحید کے خلاف کرنے کا نام شرک ہے۔ شرک کی وجہ سے توحید کا عقیدہ ختم ہو جاتا ہے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کن باتوں سے توحید کی خلاف ورزی ہوتی ہے اور شرک کا حکم نافذ ہوتا ہے؟

جیسا کہ اگلے صفحات میں ”توحید الہی“ کے عنوان سے بیان کیا گیا ہے کہ :-

”اللہ تعالیٰ ایک ہے، کوئی اس کا شریک نہیں، نہ ذات میں نہ صفات میں نہ افعال میں، نہ

احکام میں، نہ اسماء میں۔“

یہ توحید کا بنیادی عقیدہ ہے، جس طرح اللہ تعالیٰ کی ذات پاک کا کوئی شریک نہیں، اسی طرح اللہ تعالیٰ کی صفاتوں میں بھی کوئی شریک نہیں۔ اللہ تعالیٰ کی جتنی بھی صفاتیں ہیں وہ تمام صفاتیں ذاتی ہیں، ذاتی کا مطلب اصلی، حقیقی، نجی، اپنی ہیں۔ (حوالہ: فیروز اللغات، صفحہ نمبر ۶۸۹)

عطائی کا مطلب ہوتا ہے ”عطا کیا ہوا“ یعنی کسی کا دیا ہوا۔ ہبہ کیا ہوا۔ اللہ تعالیٰ کی ہر صفت اور کمال ذاتی ہیں۔ عطائی نہیں کیوں کہ اللہ تعالیٰ سے کوئی بھی بڑا اور زیادہ قدرت والا نہیں، جو اللہ تعالیٰ کو کچھ عطا کرے۔ اللہ تعالیٰ نہ کسی سے کوئی عطا لے اور نہ کوئی اللہ تعالیٰ کو کسی طرح کی کوئی عطا دے، یا

دے سکے۔ اللہ تعالیٰ کی کسی صفت یا کسی کمال کو عطائی یعنی کسی دوسرے کا عطا کیا ہوا، یا دیا ہوا، ماننا اللہ تعالیٰ کی توحید کے خلاف ہے۔ کیوں کہ اللہ تعالیٰ ”خالق کل شی“ یعنی ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے۔ وہ جب بھی جس چیز کو یا جس کسی کو جہاں کہیں، جس وقت جس طرح چاہے، جتنا، پیدا کرنے کا ارادہ فرماتا ہے، صرف حکم ”کن“ (ہو جا) سے پیدا فرماتا ہے۔ کسی چیز کی تخلیق میں اسے کسی کی مدد یا مشورے کی ہرگز کوئی ضرورت نہیں، کیوں کہ وہ کسی کا محتاج نہیں بلکہ سارا عالم اس کا محتاج ہے۔

اللہ تعالیٰ کے بہت سارے صفاتی نام ہیں۔ ایک روایت میں اللہ تعالیٰ کے ۹۹ ننانوے صفاتی نام ہیں۔ اور ایک روایت میں ۹۹۹ نوسونانوے صفاتی نام کا ذکر ہے۔ یہ تمام صفاتی نام اللہ تعالیٰ کی عظیم صفاتوں سے متصف ہیں۔ یعنی ان ناموں سے اللہ تعالیٰ کی صفاتوں اور کمال کا اظہار ہوتا ہے۔ جیسے کہ :

- ملک : بادشاہ
- سمیع : سنے والا
- خالق : پیدا کرنے والا
- کریم : کرم والا
- ناصر : مددگار
- رؤوف : بہت مہربان
- علیم : جاننے والا
- عزیز : عزت والا
- معطی : دینے والا
- رب : پالن ہار

○ محی	:	زندہ کرنے والا
○ بصیر	:	دیکھنے والا
○ مالک	:	مالک، مختار
○ حاکم	:	فیصلہ کرنے والا
○ قوی	:	قوت والا
○ رحیم	:	رحمت والا
○ مومن	:	امان دینے والا
○ وہاب	:	بہت عطا کرنے والا
○ حکیم	:	حکمت والا
○ ولی	:	حمایتی
○ مولیٰ	:	انعام دینے والا، مالک، سردار، حمایتی

یہاں پر ہم نے اللہ تعالیٰ کے چند صفاتی نام اور اس کا مطلب لکھا ہے۔ ان صفاتی ناموں سے اللہ تعالیٰ کی صفتیں اور کمالات ظاہر ہوتے ہیں، مثال کے طور پر جب ہم اللہ تعالیٰ کا صفاتی نام ”علیم“ بولیں گے تو اس نام سے اللہ تعالیٰ کی صفت ”جاننے والا“ ظاہر ہوگی، یعنی اللہ تعالیٰ کا علم اتنا وسیع ہے کہ جس کی کوئی انتہا نہیں۔ اللہ تعالیٰ کا علم ہر چیز کو محیط ہے۔ یعنی ازل سے ابد تک کی ہر باریک سے باریک چیز کو جانتا تھا۔ جانتا ہے اور جانتا رہے گا، اس کے علم سے کوئی چیز چھپی ہوئی نہیں، دلوں میں جو خیالات آتے ہیں۔ اس کی بھی اللہ تعالیٰ کو خبر ہے۔

اللہ تعالیٰ کے صفاتی نام ”علیم“ سے اللہ تعالیٰ کے علم اور جاننے کی صفت اور کمال کی معلومات حاصل ہوئی۔ لیکن اس معلومات میں ایک اہم بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علم اور جاننے کی جو صفت ہے

وہ بھی ذاتی ہے اصلی اور حقیقی ہے، کسی کی عطا کی ہوئی نہیں ہے۔

اسی طرح

اللہ تعالیٰ کا ایک صفاتی نام ”معطی“ بھی ہے۔ معطی کا مطلب ”دینے والا“۔ یعنی عطا کرنے والا ہوتا ہے۔ (حوالہ: مصباح اللغات، صفحہ نمبر ۵۶۱) اسی طرح اللہ تعالیٰ کا ایک صفاتی نام ”وہاب“ یعنی ”عطا کرنے والا“ بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ عطا کرتا ہے، دیتا ہے، اللہ تعالیٰ کسی سے عطا لیتا نہیں۔ وہ کسی کا محتاج نہیں، لیتا نہیں بلکہ دیتا ہے۔ کسی کو کوئی چیز، کوئی کمال، کوئی ہنر، کوئی فضیلت، کوئی قوت، طاقت، اختیار یا اور کسی طرح کی نوازش کرنا یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت اور اختیار میں ہے۔ وہ مالک حقیقی ہے۔ کسی کو کیا؟ اور کتنا؟ کب؟ اور کیسے؟ اور کس لیے؟ دینا اور عطا کرنا، یہ سب اللہ، جیسا، جب اور جس طرح چاہے کرنے والا ہے۔ کسی کو اس پر قابو نہیں۔ اسے اپنے ارادے سے باز رکھنے والا کوئی نہیں، جسے جو چاہے عطا کرے، جسے نہ چاہے نہ دے۔

جب ہم نے اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کا اقرار کیا ہے اور اللہ تعالیٰ کے لیے قادر مطلق کا عقیدہ رکھنے کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کو ”معطی“ اور ”وہاب“ مان رہے، ہیں تو پھر اللہ تعالیٰ کی عطا پر منہ بگاڑ کر واویلا مچانے کا ہمیں کوئی حق نہیں، ایسا واویلہ مچا کر مخالفت کا اظہار کرنا، اللہ کی صفت معطی اور وہاب کا انکار کرنا ہے۔

قرآن مجید کی روشنی میں ذاتی اور عطائی کا فرق

دور حاضر میں منافقین بات بات میں شرک کا شور مچاتے ہیں، جہاں کہیں بھی اللہ تعالیٰ کے محبوب بندوں کی شان میں تعظیم کی بات یا کام کا ذکر ہوا، فوراً توحید کا جھنڈا بلند کر کے شرک کی راگنی آلا پنا شروع کر دیتے ہیں۔ اگر کسی نے کہا کہ ”ہمارے پیارے نبی ﷺ کو علم غیب تھا“ تو فوراً آستین چڑھا کر مرنے مارنے اور مٹنے مٹانے پر کھڑے ہو جاتے ہیں، فوراً قرآن مجید کی ان آیتوں کو پیش کرنا

شروع کر دیں گے جن آیتوں میں اللہ تعالیٰ کے ذاتی علم غیب کا بیان ہے اور اللہ تعالیٰ کے سوا کسی دوسرے کے لیے ذاتی علم غیب کا انکار ہے۔

علاوہ ازیں ایک بے تکی دلیل دے کر بھولے اور سیدھے سادے لوگوں کو یہ سمجھانے کی کوشش کرتے ہیں کہ جو صفت اور کمال ہم اللہ تعالیٰ کے لیے مانتے ہیں، وہ صفت اور کمال اگر ہم نے اللہ تعالیٰ کے سوا کسی دوسرے کے لیے مانا، تو شرک ہو گیا، ہمارا توحید کا عقیدہ برباد ہو گیا، لوگوں کو بہکانے کے لیے مثال دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ:

”جب اللہ تعالیٰ علم غیب کا جاننے والا ہے اور اگر ہم نے یہ مانا کہ رسول کو بھی علم غیب تھا، تو رسول کی اللہ سے برابری ہوگئی، توحید کا عقیدہ ٹوٹ گیا، جو صفت اللہ کی ہے وہ رسول کی بھی مانی، تو شرک ہو گیا اور شرک ایسا بھیانک جرم ہے کہ اللہ کبھی معاف نہیں کرے گا۔“

بے چارہ ان پڑھ مسلمان شرک کا نام سن کر تھر تھر کانپنے لگتا ہے، اسے کیا معلوم کہ یہ بہکانے والا ذاتی اور عطائی میں فرق کیے بغیر دونوں کو ایک ہی درجہ میں شمار کر کے دھوکہ دے رہا ہے۔

اگر ہم نے ذاتی اور عطائی یعنی حقیقی اور مجازی میں فرق نہ کیا اور سب کو ذاتی ہی مان کر چلے، تو دنیا بھر میں کسی کا بھی ایمان باقی نہیں رہے گا، ہر شخص شرک کے گناہ کا مجرم بن جائے گا، حد تو یہاں ہوگی کہ اگر ذاتی اور عطائی میں فرق نہیں کیا تو قرآن مجید کی آیتوں میں بھی تضاد نظر آئے گا۔

آئیے!

قرآن مجید کی آیتوں کی روشنی میں ذاتی اور عطائی کا فرق سمجھیں اور قرآن مجید کی سچی تعلیم سے ہدایت حاصل کر کے صراطِ مستقیم سیدھا راستہ چلیں۔

پہلی بات یہ ہے کہ یہ عقیدہ ہر ایمان والے کے لیے لازمی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی تمام صفتیں ذاتی ہیں، ان تمام صفتوں میں ایک ذرے کے کروڑویں حصہ کے برابر بلکہ اس سے بھی کم حصہ کے برابر بھی

کسی کو ذاتی طور پر شریک ماننا بے شک اور یقیناً شرک ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ایک صفت ”معطی“ اور ایک صفت ”وہاب“ بھی ہے۔ یعنی دینے والا اور بہت عطا کرنے والا۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے جسے چاہے اسے اپنی صفت اور کمال سے مستفیض، مستفید اور متصف فرماتا ہے۔ یعنی جسے چاہے اسے فیض اٹھانے والا، فائدہ اٹھانے والا اور صفت رکھنے والا بنا دیتا ہے اور اس کی صفتیں اور کمال ذاتی نہیں بلکہ عطائی ہوتی ہے۔ اس دنیا میں ابتدا سے لے کر آج تک اور آج سے لے کر قیامت تک عجیب اور حیرت میں ڈال دینے والے کمالات رکھنے والے بے شمار لوگ پیدا ہوئے اور ہوں گے۔ ان تمام باکمال لوگوں کے کمالات صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی عطا اور فضل و کرم سے انھیں ملنے کی وجہ سے عطائی تھے۔ اللہ تعالیٰ جسے جو چاہے عطا فرماتا ہے۔

■ قرآن مجید میں ہے کہ :

﴿ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مِنْ يَّشَاءُ ﴾ (پارہ ۲۷، سورۃ الحديد، آیت نمبر ۲۱)

ترجمہ : ”یہ اللہ کا فضل ہے، جسے چاہے دے۔“ (کنز الایمان)

■ قرآن مجید میں ہے کہ

﴿ وَ لَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى ﴾ (پارہ ۳۰، سورۃ الاحقاف، آیت نمبر ۵)

ترجمہ : ”اور بے شک قریب ہے کہ تمہارا رب تمہیں اتنا دے گا کہ تم راضی ہو جاؤ گے“

(کنز الایمان)

ان آیتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ جس کو جو چاہے، وہ دیتا ہے اور عطا کرتا ہے۔ اس عطا اور دینے میں اللہ تعالیٰ پر کسی کی اور کسی قسم کی کوئی بھی پابندی نہیں ہے۔ جسے جو چاہے، جتنا چاہے، جب چاہے، جس طرح چاہے، دیتا ہے اور دے سکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے بے شمار بندے ہوئے ہیں، موجود ہیں، اور ہوں گے۔ ان بندوں کے بھی کئی اقسام ہیں، کوئی محبوب اور مقبول بندہ ہے، تو کوئی مردود اور متروک بندہ ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ اپنے ہر بندے کو کوئی نہ کوئی خوبی اور کمال عطا فرماتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی عطا بھی دو قسم کی ہے۔ ”عام عطا“ اور ”خاص عطا“، عام عطا سب پر ہوتی ہے اس میں نبی، رسول، ولی، مومن، نیک، متقی، پرہیزگار، بدکار، فاسق، فاجر، کافر، مشرک، مجوس، یہودی، نصرانی، سب شامل ہیں، خاص عطا اپنے نیک اور مقبول بندوں پر فرماتا ہے۔ اپنے محبوب بندوں پر تو اور زیادہ عطا فرماتا ہے اور خصوصاً اپنے محبوب اعظم سرور انبیاء و مرسلین حضور اقدس، رحمۃ اللعالمین ﷺ پر تو اتنی عطا اور نوازش فرمائی ہے کہ جس کا کوئی اندازہ نہیں لگا سکتا۔

اللہ کی صفت ”سمیع۔ بصیر“ یعنی سننے والا۔ دیکھنے والا

اللہ تعالیٰ کی صفت میں سے ”سمیع“ اور ”بصیر“ کا قرآن مجید میں کئی مقام پر ذکر ہوا ہے۔ یہاں پر صرف تین آیتیں پیش خدمت ہیں۔

آیت شریف :

﴿ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴾ (پارہ ۱، سورۃ البقرہ، آیت نمبر ۱۲)

ترجمہ :

”اے رب ہمارے، ہم سے قبول فرما، بے شک تو ہی سنتا جانتا ہے۔“ (کنز الایمان)

آیت شریف :

﴿ إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ ﴾ (پارہ ۱۵، سورۃ بنی اسرائیل، آیت: ۱)

ترجمہ :

”بے شک وہ سنتا دیکھتا ہے۔“ (کنز الایمان)

ان دونوں آیتوں میں اللہ تعالیٰ کی صفت سمیع اور بصیر کا ذکر ہوا ہے۔ اب آئیے قرآن مجید کی اس آیت کی تلاوت کا شرف حاصل کریں جس میں اللہ کے ہر بندے کو سمیع اور بصیر کہا گیا ہے۔

آیت شریف :

﴿ إِنَّا خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنْ نُطْفَةٍ أَمْشَاجٍ نَبْتَلِيهِ فَجَعَلْنَاهُ سَمِيعًا بَصِيرًا ﴾

(پارہ ۲۹، سورۃ الدھر، آیت ۲)

ترجمہ :

”بے شک ہم نے آدمیوں کو پیدا کیا ملی ہوئی منی سے کہ اسے جانچے، تو اسے سنتا دیکھتا کر

دیا۔“ (کنز الایمان)

اگر آپ غور فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں مطلق انسان کو سمیع اور بصیر کی صفت سے متصف فرمایا ہے۔ یہ حقیقت ہے بلکہ ہر مومن کے لیے لازمی ہے، کہ وہ یہ عقیدہ رکھے کہ اللہ تعالیٰ سمیع اور بصیر ہے۔ اسی طرح جب قرآن مجید نے ہر انسان کو سمیع اور بصیر فرمایا ہے، تو قرآن مجید کی آیت کا انکار نہیں ہو سکتا، لہذا یہ ماننا بھی ضروری ہو گیا کہ قرآن مجید کے ارشاد کے مطابق ہر انسان سمیع اور بصیر ہے۔ اگر ہم نے ذاتی اور عطائی کا فرق نہ کیا اور دور حاضر کے منافقوں کی طرح ہر صفت اور کمال کو ایک ہی درجہ میں رکھا تو بڑی گڑبڑی پیدا ہو جائے گی بلکہ شرک کے ارتکاب کا اندیشہ کھڑا ہو جائے گا، لہذا ہمارے لیے لازمی ہے کہ یہاں ذاتی اور عطائی کا فرق کر کے یہ تشریح کرنی پڑے گی کہ:

● اللہ تعالیٰ کی جو صفت سمیع اور بصیر ہے وہ ذاتی ہے۔

● انسان کی سمیع اور بصیر ہونے کی جو صفت ہے وہ عطائی ہے۔

یعنی انسان کو سمیع اور بصیر ہونے کا جو کمال حاصل ہے وہ اللہ تعالیٰ کی عطا سے ہے، لہذا انسان کے لیے سمیع اور بصیر ہونے کی عطائی صفت کا اعتقاد رکھنے والا ہرگز مشرک نہیں، ہاں شرک تب ہی ہوگا

کہ یہ عقیدہ رکھے کہ انسان کا سننا اور دیکھنا ذاتی کمال سے ہے، وہ کسی کا محتاج نہیں، وہ بے نیاز ہے، یہ عقیدہ توحید کے خلاف ہے۔

اللہ تعالیٰ کی صفت ”محی“ یعنی مردوں کو زندہ کرنے والا :

اللہ تعالیٰ کی صفت میں سے ایک ذاتی صفت ”محی“ یعنی مردوں کو زندہ کرنے والا بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی اس صفت کا قرآن مجید میں اس طرح ذکر ہے کہ:

آیت شریف :

﴿إِنَّ ذَٰلِكَ لَمُحْيِ الْمَوْتَىٰ ۖ وَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ﴾
(پارہ ۲۱، سورۃ الروم، آیت ۵۰)

ترجمہ :

”بے شک، وہ مردوں کو زندہ کرے گا، اور وہ سب کچھ کر سکتا ہے۔“ (کنز الایمان)
اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی صفت محی کا ذکر ہے، ہر مومن کے لیے یہ عقیدہ ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ مردوں کو زندہ فرمانے والا ہے۔ ماضی میں ایسے کئی واقعات ظہور پذیر ہوئے ہیں کہ برسوں پرانے مردے اللہ تعالیٰ کے حکم سے زندہ ہو گئے ہیں، اور قیامت کے دن تو سب کے سب مردوں کو اللہ تعالیٰ زندہ فرمائے گا۔ یہ سب اللہ کی قدرت میں شامل ہے۔ کیوں کہ قرآن مجید میں صاف ارشاد ہے کہ اللہ سب کچھ کر سکتا ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر اللہ تعالیٰ کی خاص عنایت اور عطائیں تھیں، ان میں سے ایک عنایت یہ بھی تھی کہ:

آیت شریف :

﴿وَأُحْيِي الْمَوْتَىٰ بِإِذْنِ اللَّهِ﴾ (پارہ ۳، سورۃ آل عمران، آیت ۵۱)

ترجمہ :

”اور میں مردے جلاتا ہوں، اللہ کے حکم سے۔“ (کنز الایمان)

قرآن مجید کی اس آیت کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام مردوں کو زندہ کرنے والے ہونے کی وجہ سے ”محی“ صفت والے تھے، لیکن ان کی یہ صفت عطائی تھی، جیسا کہ انھوں نے فرمایا کہ ”بإذن اللہ“ یعنی اللہ تعالیٰ کے حکم سے۔

قرآن مجید کے ارشاد کے مطابق اللہ تعالیٰ بھی ”محی“ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی ”محی“، پھر بھی شرک نہیں ہوا، کیوں کہ اللہ تعالیٰ کی یہ صفت ذاتی اور حقیقی ہے، جب کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی یہ صفت عطائی اور مجازی ہے۔

اللہ تعالیٰ کی صفت روؤف اور رحیم یعنی بہت مہربان اور رحمت والا

اللہ تعالیٰ کی صفتوں میں سے ”روؤف“ اور ”رحیم“ بھی ہیں۔ روؤف کے معنی بہت مہربان اور رحیم کے معنی رحمت والا ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے صفاتی نام روؤف کا ذکر قرآن مجید میں تقریباً گیارہ مرتبہ آیا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے صفاتی نام رحیم کا ذکر قرآن مجید میں تقریباً ایک سو چودہ مرتبہ آیا ہے۔ اور ایک مرتبہ حضور اقدس رحمۃ للعالمین کے لیے بھی دونوں نام آئے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے صفاتی نام اور رحیم کے تعلق سے صرف ایک ہی آیت پیش خدمت ہے۔

آیت شریف :

﴿إِنَّ اللَّهَ بِالنَّاسِ لَرَوُّفٌ رَّحِيمٌ﴾ (پارہ ۲، سورۃ البقرہ، آیت ۱۴۳)

ترجمہ :

”بے شک اللہ آدمیوں پر بہت مہربان رحمت والا ہے۔“ (کنز الایمان)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ کے دو صفاتی نام ”روؤف“ اور ”رحیم“ کا ذکر ہے۔ انھیں صفتوں کے

ساتھ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اپنے حبیب اکرم و اعظم ﷺ کو بھی متصف فرمایا ہے۔

آیت شریف :

﴿لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنْفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِينَ رَؤُوفٌ رَّحِيمٌ﴾ (پارہ ۱۱، سورۃ التوبہ، آیت ۱۲۸)

ترجمہ :

”بے شک تمہارے پاس تشریف لائے تم میں سے وہ رسول جن پر تمہارا مشقت میں پڑنا گرا ہے، تمہاری بھلائی کے نہایت چاہنے والے، مسلمانوں پر کمال مہربان۔“ (کنز الایمان)

حل لغت :

- مشقت : تکلیف، دکھ (فیروز اللغات، صفحہ نمبر ۱۲۵۱)
- گراں : ناگوار۔ (فیروز اللغات، صفحہ نمبر ۱۲۵۱)
- کمال : نہایت پورا، کامل (فیروز اللغات، صفحہ نمبر ۱۰۲)

اس آیت میں ارشادِ رب تعالیٰ ہے کہ تمہارے پاس وہ رسول تشریف لائے، جو تمہاری ہی قوم کے ہیں، اس رسول کی تمہارے ساتھ ہمدردی کا یہ عالم ہے کہ تمہیں اگر تکلیف یا دکھ پہنچتا ہے، تو تمہارا دکھی ہونا یا مصیبت میں پڑنا بھی انہیں گوارا نہیں ہے۔ کیوں کہ وہ تمہاری بہت ہی بھلائی چاہنے والے ہیں اور خاص کر ایمان والوں پر تو بہت زیادہ مہربان اور مہربانی کرنے والے ہیں۔

اس آیت میں حضور اقدس ﷺ کے لیے بھی ”رؤوف“ اور ”رحیم“ صفت کا ذکر کیا گیا ہے۔

لہذا قرآن مجید کی آیتوں سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ:

- اللہ تعالیٰ ”رؤوف“ اور ”رحیم“ ہے۔
- اللہ کے رسول بھی ”رؤوف“ اور ”رحیم“ ہیں۔

یہ دو جملے پڑھ کر ہو سکتا ہے شاید کسی منافق کے دماغ میں شرک کا بخار چڑھ گیا ہو اور اس کا سر چکرانے لگا ہو، کیوں کہ دور حاضر کے منافق ہمیشہ یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ جو صفت اور کمال اللہ تعالیٰ کے لیے ہے اسے کسی دوسرے کے لیے ثابت کرنا یا ماننا شرک ہے۔ یہ لوگ ذاتی اور عطائی کا فرق نہیں کرتے اور ہر معاملے کو ایک ہی نظر سے دیکھتے ہیں اور شرک، شرک اور شرک ہی کا رونا روتے ہیں۔

اب ان منافقوں سے پوچھو کہ قرآن مجید کی ان آیتوں کے بارے میں تمہارا کیا کہنا ہے؟ جن آیتوں سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ بھی ”رؤوف“ اور ”رحیم“ ہے اور اللہ تعالیٰ کے پیارے نبی ﷺ بھی ”رؤوف“ اور ”رحیم“ ہیں۔ کیا معاذ اللہ قرآن مجید میں بھی تمہیں شرک کی بات نظر آتی ہے؟ ذرا غور سے دیکھو قرآن مجید میں جن صفتوں کو اللہ تعالیٰ کی صفتیں بتائی گئی ہیں، ان ہی صفتوں کو قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کے رسول کی بھی صفتیں بتائی گئی ہیں۔ بولو خاموش کیوں ہو؟ حالاں کہ تمہارے اصول کے مطابق تو یہ شرک ہی ہے، لیکن یہاں قرآن مجید کا معاملہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کے کلام پاک کو کھلم کھلم جھٹلانے کی تمہاری ہمت نہیں۔ اب جھٹلا نہیں سکتے تو قبول تو کر لو، یقین رکھو کہ قرآن مجید کبھی بھی شرک کی تعلیم نہیں دیتا۔ کیوں کہ قرآن مجید شرک کو مٹانے کے لیے نازل کیا گیا ہے۔ اس لیے اب تمہیں حقیقت اور مجاز کا، ذاتی اور عطائی کا فرق کرنا ہوگا۔

بے شک اللہ تعالیٰ ”رؤوف“ اور ”رحیم“ ہے، بے شک اللہ تعالیٰ کے محبوب اکرم ﷺ بھی ”رؤوف“ اور ”رحیم“ ہیں۔

لیکن

یہاں ذاتی اور عطائی کا فرق ہے۔

یعنی حقیقی اور ذاتی، رؤوف و رحیم رب تبارک و تعالیٰ نے اپنے محبوب اکرم ﷺ کو اپنی عطا اور

نوازش سے رؤوف اور رحیم بنایا ہے۔

اگر.....

حقیقت، مجاز اور ذاتی، عطائی کا فرق سمجھ میں آ گیا، تو توحید اور رسالت کے تعلق سے تمام مسائل حل ہو جائیں گے، مثلاً علم غیب، حاضر و ناظر، تصرف، مشکل کشائی، اختیارات وغیرہ کے تعلق سے جتنے بھی اختلافی مسائل ہیں، وہ آسانی سے سمجھ میں آ جائیں گے اور توحید کا اجالا ایسا پھیلے گا کہ نور ایمان کی روشنی اور حلاوت حاصل ہوگی اور شرک کا اندھیرا دور ہو جائے گا۔

اور اگر.....

حقیقت، مجاز اور ذاتی، عطائی کا فرق سمجھنے کی صلاحیت نہیں، تو ہر معاملے میں شرک کے شرارے ہی نظر آئیں گے اور پھر وہ شرارے آہستہ آہستہ کوہ آتش فشاں بن کر ایمان کو جلا کر رکھ کر دیں گے اور ہر طرف اندھیرا چھا جائے گا اور اس اندھیرے میں بھٹک کر توہین رسول کے کفر کے گہرے اور اندھیرے کنوئیں میں جا گرو گے۔

اللہ تعالیٰ کے صفاتی نام ”کریم“ کے تعلق سے تفصیلی بحث

اللہ تعالیٰ کا مقدس کلام قرآن مجید خالص عربی زبان میں نازل ہوا ہے۔ عربی زبان کی لغت کی وسعت کا یہ عالم ہے کہ ہر لفظ کئی معنوں میں استعمال ہوتا ہے اور کئی الفاظ کے ایک معنی بھی ہوتے ہیں۔ جس لفظ کے کئی معنی ہوتے ہیں ایسے لفظ کا موزوں اور قطعی معنی جاننے کے لیے ضروری ہے کہ واقعہ کی نوعیت، محل و موقع، انداز بیان، مخاطب اور مخاطب کی حیثیت، حقیقت اور مجاز، طنز، استفہام، مبتدا اور خبر، شرط اور جزا، اطناب و ابجاز، تذلیل اور تکریم، وعید اور بشارت، زجر اور تنبیہ، طور طریقہ، تشبیہ، تمثیل، استعارہ، وغیرہ کو نظر کے سامنے رکھنا ضروری ہے اور ساتھ میں اس بات کا بھی خیال رکھنا ضروری ہے کہ آیت کی تفسیر اور تفسیر میں اگر کسی واقعہ کا ذکر ہے تو یہ تحقیق کرنا بھی ضروری ہے کہ اصل واقعہ کیا ہے؟ اس کے بعد ہی قرآن مجید کی آیت میں وارد لفظ کا ترجمہ کیا جائے گا۔

اگر ان سب باتوں کا التزام نہ کیا گیا اور آیت میں وارد لفظ کا لغت سے ظاہری ترجمہ کیا گیا تو اصل مقصد، معنی، مطلب اور مراد حاصل نہیں ہو سکتی۔

شاید یہ عنوان سمجھنے میں قارئین حضرات کو دشواری ہوگی، لیکن اب ہم قرآن مجید میں جو مثالیں پیش کرنے جا رہے ہیں، انہیں پڑھ کر یہ عنوان بہت اچھی طرح سمجھ میں آ جائے گا اور اس عنوان سے مثال میں پیش کی جانے والی آیت قرآن ایسی سمجھ میں آ کر یاد ہو جائے گی کہ آپ اس عنوان پر بحث کرنے کی استطاعت اور صلاحیت حاصل کر لیں گے۔

مثال کے طور پر لفظ ”کریم“ قرآن مجید میں کل ۲۳ مرتبہ استعمال ہوا ہے، حالاں کہ کریم اللہ تعالیٰ کی صفت اور صفاتی نام ہے۔ لغت میں لفظ ”کریم“ کا مطلب ”کرم والا“ اور ”عزت والا“ ہوتا ہے لیکن آپ کو یہ جان کر حیرت ہوگی کہ یہی لفظ کریم کا استعمال قرآن مجید میں ابو جہل جیسے کافر کے لیے بھی ہوا ہے، بلکہ کئی اور چیزوں، کلام، فرشتے وغیرہ کو بھی کریم صفت سے مخاطب کیا گیا ہے، کچھ آیتیں پیش خدمت ہیں:

اللہ تعالیٰ کریم ہے:

آیت شریف:

﴿يَا أَيُّهَا الْإِنْسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيمِ﴾ (پارہ ۳۰، سورۃ الانفطار، آیت ۶)

ترجمہ:

”اے آدمی! تجھے کس چیز نے فریب دیا اپنے رب سے۔“ (کنز الایمان)

اس آیت میں اللہ تبارک و تعالیٰ کی ایک صفت کریم یعنی کرم والا کا ذکر ہے۔ اب آئیے، یہ دیکھیں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کن کن کو قرآن مجید میں لفظ کریم سے مخاطب کیا گیا ہے اور کیوں کیا گیا ہے؟

حضرت موسیٰ کو ”کریم“ کہا گیا ہے :

آیت شریف :

﴿وَلَقَدْ فَتَنَّا قَبْلَهُمْ قَوْمَ فِرْعَوْنَ وَجَاءَهُمْ رَسُولٌ كَرِيمٌ﴾

(پارہ نمبر ۲۵، سورہ دخان، آیت نمبر ۱۷)

ترجمہ :

”بے شک ہم نے ان سے پہلے فرعون کی قوم کو جانچا اور ان کے پاس ایک معزز رسول

تشریف لایا۔“ (کنز الایمان)

تفسیر :

اس آیت کی تفسیر میں ہے کہ

”یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام“ (حوالہ: تفسیر خزائن العرفان، صفحہ نمبر: ۷۹۰)

حل لغت

● معزز : عزت دار، باوقعت، بڑا بزرگ، بڑا شریف (حوالہ: فیروز اللغات، صفحہ نمبر ۱۲۶)

اس آیت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کریم کی صفت سے متصف فرمایا گیا ہے۔ حالاں کہ کریم اللہ تعالیٰ کی صفت ہے۔ لیکن اسی صفت کا حضرت موسیٰ کے لیے استعمال کیا گیا ہے۔ اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام اللہ تعالیٰ کی ذاتی صفت میں شریک ہیں۔ اگر کوئی بیوقوف قرآن مجید کی آیت کے لفظ کے ظاہری معنی کو لیکر حضرت موسیٰ کے لیے قرآن میں آئی ہوئی صفت ”کریم“ کو معاذ اللہ ”ذاتی صفت“ مانے گا، تو یقیناً اس کا ماننا شرک ہوگا۔ اس کا ایسا ماننا شرک کب ہوا؟ اس کی صرف ایک ہی وجہ ہے اور وہ صرف یہی ہے کہ اس نے ذاتی اور عطائی کا فرق نہ کیا، نتیجہ یہ آیا کہ وہ قرآن کی آیت کے مفہوم، مقصد اور مراد کو نہ سمجھ سکا، لہذا لفظ کریم کا صحیح معنی اور مطلب

آیت کے شان نزول اور تفسیر کو مد نظر رکھ کر ہی کیا جائے گا۔ علاوہ ازیں واقعہ کی مناسبت سے ہی لغت میں وارد مختلف معنوں کے الفاظ میں سے موضوع لفظ کو ہی لیا جائے گا۔ اگر صرف ظاہری رائج و مشہور معنی کو لیکر آیت کا ترجمہ کیا جائے گا تو بڑی گڑبڑی ہو جائے گی۔

اس آیت میں جو لفظ کریم ہے وہ معزز کے معنی میں ہے۔ یعنی عزت دار، بڑا شریف، بزرگ،

باوقعت کے معنی میں ہے۔

اب ایک مثال ایسی پیش ہے کہ آپ حیرت میں پڑ جائیں گے۔

ابو جہل کو بھی ”کریم“ کہا گیا ہے :

کافروں اور مشرکوں کے سردار، نبی کے دشمن، ابو جہل اور دیگر کافروں کے تعلق سے آیت

کریمہ ہے کہ :

آیت شریف :

﴿خُذُوهُ فَاعْتَلُوهُ إِلَىٰ سَوَاءِ الْجَحِيمِ ه ثُمَّ صُبُّوا فَوْقَ رَأْسِهِ مِنْ عَذَابِ

الْحَمِيمِ ه ذُقْ إِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْكَرِيمُ﴾ (پارہ ۲۵، سورۃ الدخان، آیت ۴۷، ۴۸، اور ۴۹)

ترجمہ :

”اسے پکرو، ٹھیک بھڑکتی آگ کی طرف بزور گھسیٹتے لے جاؤ، پھر اس کے سر کے اوپر کھولتے

پانی کا عذاب ڈالو، کچھ ہاں ہاں تو ہی بڑا عزت والا کرم والا ہے۔“ (کنز الایمان)

اس آیت میں ابو جہل جیسے کافروں کے سردار کو عزیز اور کریم کہہ کر مخاطب کیا گیا ہے۔ حالانکہ

عزیز اور کریم یہ دونوں اللہ تعالیٰ کی صفتیں ہیں۔ ”عزیز“ کا مطلب عزت والا ہوتا ہے اور ”کریم“ کا

مطلب کرم والا ہوتا ہے۔ اس آیت کا ترجمہ دیکھیں۔ اس آیت میں لفظ ”عزیز“ عزت والا کے معنی

میں اور لفظ ”کریم“ کرم والا کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ یہ دونوں الفاظ کسی دوسرے معنی میں

استعمال نہیں ہوئے، بلکہ ظاہری اور مشہور معنی میں ہی استعمال ہوئے ہیں۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ :

جب آیت میں ”عزیز“ عزت والا کے معنی میں اور ”کریم“ کرم والا کے معنی میں استعمال ہوا ہے، تو کیا واقعی ابو جہل کی عزیز اور کریم کی صفت سے عزت افزائی کی گئی ہے؟

ہرگز نہیں.....

بلکہ اسے طعنہ دے کر ذلیل کیا جا رہا ہے، وہ کیسے؟ وہ اس طرح کہ ابھی ہم نے آپ کو بتایا کہ قرآن مجید کی آیت کا صحیح مطلب، مفہوم، مراد اور مقصد کو سمجھنے کے لیے آیت کا شان نزول معلوم ہونا ضروری ہے اور اس کے لیے قرآن مجید کی تفسیر کی معلومات لازمی ہے۔

آئیے! قرآن مجید کی تفسیر کی روشنی میں اس آیت کا صحیح مطلب، مفہوم، مراد اور مقصد کو سمجھیں اور ہمارے سامنے جو پیچیدہ سوال کھڑا ہوا ہے کہ ابو جہل جیسے کافر کو قرآن میں عزیز اور کریم کیوں کہا گیا ہے؟ اس سوال کو حل کر کے اچھی طرح سمجھنے کی سعادت حاصل کریں۔

یہاں پر ہم تفسیر کی معتبر کتابوں میں سے صرف تین کتابوں کے حوالے پیش کر رہے ہیں، ان حوالوں کو پڑھنے سے پہلے اس آیت کا شان نزول بھی معلوم کر لیں۔

اس وقت ہم سورہ دخان کی آیت نمبر ۴۹ یعنی ﴿ذُقْ إِنَّكَ الْعَزِيزُ الْكَرِيمُ﴾ (چکھ ہاں، ہاں تو ہی بڑا عزت والا کرم والا ہے) کے تعلق سے گفتگو کر رہے ہیں، اس آیت سے پہلے آیت نمبر ۴۳ سے آیت نمبر ۴۸ نازل ہوئی ہیں۔ ان آیتوں میں قیامت کے دن کے ہولناک منظر کا ذکر ہے اور خاص طور پر کافروں پر کیا گزرے گی؟ اس کا تفصیلی بیان ہے، وہ آیتیں ترجمہ کے ساتھ یہاں پیش ہیں۔

آیات شریف :

﴿إِنَّ شَجَرَتَ الرَّقُومِ ﴿۴۳﴾ طَعَامُ الْآثِيمِ ﴿۴۴﴾ كَأَلْمُهْلِ يَغْلِي فِي الْبُطُونِ ﴿۴۵﴾
 كَغَلِي الْحَمِيمِ ﴿۴۶﴾ خُذُوهُ فَاعْتَلُوهُ إِلَىٰ سَوَاءِ الْجَحِيمِ ﴿۴۷﴾ ثُمَّ صُبُّوا فَوْقَ رَأْسِهِ مِنْ
 عَذَابِ الْحَمِيمِ ﴿۴۸﴾﴾ (پارہ ۲۵، سورۃ الدخان، آیت نمبر: ۴۳ تا ۴۸)

ترجمہ :

”بے شک تھوہڑ کا پیڑ گنے گا روں کی خوراک ہے، گلے ہوئے تانبے کی طرح پیٹوں میں جوش مارے، جیسا کھولتا پانی جوش مارے، اسے پکڑو، ٹھیک بھڑکتی آگ کی طرف بزدور گھسیٹتے لے جاؤ، پھر اس کے سر کے اوپر کھولتے پانی کا عذاب ڈالو۔“ (کنز الایمان)

ان آیتوں میں قیامت کے دن کافروں کو ذلیل اور رسوا کر کے عذاب دینے کا بیان ہے۔ جب یہ آیت نازل ہونے کی خبر ابو جہل کو ہوئی تو اس نے کہا کہ مکہ کی دو پہاڑیوں کے درمیان بسنے والے لوگوں میں سب سے زیادہ عزت اور کرم والا شخص میں ہی ہوں۔

حوالہ نمبر ۱ :

﴿ذُقْ إِنَّكَ الْعَزِيزُ الْكَرِيمُ﴾ ﴿۴۹﴾ أَيْ وَيَقَالُ : أَوْ قَوْلُوا لَهُ ذَلِكَ اسْتِهْزَاءً وَ تَفْرِيعًا عَلَىٰ مَا كَانَ يَزَعَمُهُ .

أَخْرَجَ عَبْدُ الرَّزَّاقِ وَغَيْرُهُ عَنْ قَتَادَةَ قَالَ : لَمَّا نَزَلَتْ ﴿خُذُوهُ فَاعْتَلُوهُ إِلَىٰ سَوَاءِ الْجَحِيمِ﴾ قَالَ أَبُو جَهْلٍ : مَا بَيْنَ جَبَلَيْهَا رَجُلٌ أَعَزُّ وَلَا أَكْرَمُ مِنِّي ، فَقَالَ اللَّهُ تَعَالَىٰ ﴿ذُقْ﴾ الخ

وَ أَخْرَجَ الْأَمَوِيُّ فِي مَعَاذِيهِ عَنْ عِكْرَمَةَ أَنَّ أَبَا جَهْلٍ قَالَ لِلنَّبِيِّ ﷺ : مَا تَسْتَطِيعُ لِي أَنْتَ وَلَا صَاحِبُكَ مِنْ شَيْءٍ لَقَدْ عَلِمْتُ إِنَّنِي أَمْنَعُ أَهْلَ بَطْحَاءَ وَ أَنَا

الْعَزِيزُ الْكَرِيمُ فَقَتَلَهُ اللَّهُ تَعَالَى يَوْمَ بَدْرٍ وَأَذَلَّهُ وَعَيَّرَهُ بِكَلِمَتِهِ ﴿ذُقْ إِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْكَرِيمُ﴾ وَرَوَى أَنَّ اللَّعِينِ قَالَ يَوْمًا: يَا مَعْشَرَ قُرَيْشٍ أَخْبِرُونِي مَا اسْمِي فَنُكِزَتْ لَهُ ثَلَاثَةٌ أَسْمَاءُ عَمْرٍو وَالْجَلَّاسُ وَ أَبُو الْحَكَمِ فَقَالَ: مَا أَصَبْتُمْ اسْمِي إِلَّا أَخْبَرَ كُمْ بِهِ؟ قَالُوا: بَلَى قَالَ: اسْمِي الْعَزِيزُ الْكَرِيمُ، فَنَزَلَتْ.

حوالہ: تفسیر روح المعانی جلد ۱۳، مطبع دارالکتب العلمیہ، بیروت، سورۃ الدخان آیت ۴۹، صفحہ ۱۳۲

ترجمہ:

﴿ذُقْ إِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْكَرِيمُ﴾ یعنی اور کہا جائے گا اس کو (ابو جہل کو) استہزاء (ہنسی اڑاتے ہوئے) اور ڈانٹتے ہوئے کہو، جو وہ اپنے لیے گمان کرتا تھا۔

روایت کیا عبد الرزاق اور دوسروں نے حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حضرت قتادہ نے فرمایا کہ جب آیت کریمہ ﴿حُذُوهُ فَاعْتَلُوهُ إِلَىٰ سَوَاءِ الْجَحِيمِ﴾ نازل ہوئی، تب ابو جہل نے کہا کہ ان دونوں پہاڑی کے درمیان مجھ سے زیادہ عزت دار اور کرم والا کوئی شخص نہیں۔ اس پر ﴿ذُقْ إِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْكَرِيمُ﴾ یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔

اور حضرت اموی نے اپنی کتاب مغازی میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ ابو جہل نے حضرت نبی کریم ﷺ سے کہا کہ تم اور تمہارا رب مجھ پر کوئی طاقت نہیں رکھتے ہو۔ تمہیں معلوم ہے کہ میں اہل بطحا (مکہ والوں) کو روک سکتا ہوں اور میں عزیز کریم یعنی عزت والا اور کرم والا ہوں۔ پس اللہ تعالیٰ نے بدر کے دن اسے قتل فرمایا اور اسے ذلیل کیا اور اسے اپنے قول سے عار دلاتے ہوئے فرمایا کہ ﴿ذُقْ إِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْكَرِيمُ﴾ یعنی چکھ ہاں ہاں تو ہی بڑا عزت والا کرم والا ہے۔

ایک اور روایت میں یہ ہے کہ ابو جہل لعین نے ایک دن اپنی قوم سے مخاطب ہو کر کہا کہ اے قریش کے لوگوں! میرا نام کیا ہے، وہ بتاؤ، لوگوں نے اس کے تین نام عمر، جلاس اور ابو الحکم بتائے، اس

پر ابو جہل نے کہا کہ تمہیں میرا صحیح نام نہیں معلوم ہے۔ کیا میں تمہیں اپنا نام بتاؤں؟ لوگوں نے کہا کہ ہاں۔ ابو جہل نے کہا کہ میرا نام عزیز الکریم ہے۔ ابو جہل کے اس کہنے پر یہ آیت نازل ہوئی۔

حوالہ نمبر: ۲

﴿ذُقْ إِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْكَرِيمُ﴾ وَذَكَرُوا فِيهِ وَجُوهًا (الْأَوَّلُ) إِنَّهُ يُخَاطَبُ بِذَلِكَ عَلَى سَبِيلِ الْإِسْتِهْزَاءِ، وَالْمُرَادُ إِنَّكَ أَنْتَ بِالضِّدِّ مِنْهُ (وَالثَّانِي) إِنَّ أَبَا جَهْلٍ قَالَ لِرَسُولِ اللَّهِ ﷺ: مَا بَيْنَ جَبَلَيْهَا أَعَزُّ وَلَا أَكْرَمُ مِنِّي فَوَاللَّهِ مَا تَسْتَطِيعُ أَنْتَ وَلَا رَبُّكَ أَنْ تَفْعَلَا بِي شَيْئًا (وَالثَّالِثُ) أَنَّكَ كُنْتَ تَعْتَزُّ بِاللَّهِ فَانظُرْ مَا وَقَعَتْ فِيهِ، وَقِرَى إِنَّكَ بِمَعْنَى لِأَنَّكَ.

حوالہ: مفتاح الغیب المعروف بہ تفسیر امام فخر الرازی، جلد ۱۲،

مطبع دارالفکر، بیروت، سورۃ الدخان، آیت ۴۹، صفحہ: ۲۵۳

ترجمہ:

آیت کریمہ ﴿ذُقْ إِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْكَرِيمُ﴾ کے تعلق سے مفسرین کرام نے چند وجوہات بتائے ہیں۔

(۱) ابو جہل سے یہ خطاب اس کا مذاق اڑانے کے لیے ہے۔ اور مراد اس سے یہ ہے کہ اس سے یہ کہا جا رہا ہے کہ تو اپنے بارے میں جو کہتا تھا اس سے الٹا معاملہ ہے۔

(۲) ابو جہل نے رسول اللہ ﷺ سے کہا کہ مکہ کے دو پہاڑوں کے درمیان مجھ سے زیادہ عزت والا اور کرم والا کوئی نہیں ہے۔ قسم ہے اللہ کی! تم اور تمہارا رب میرے ساتھ کچھ بھی کر سکنے کی طاقت نہیں رکھتے ہو۔ یعنی میرا کچھ بھی بگاڑ نہیں سکتے۔

(۳) تو اپنے آپ کو خود عزت دیتا تھا، لیکن ایسا نہیں، قسم اللہ کی، دیکھ وہ جس میں تو گرفتار ہوا، یعنی جو تیرے ساتھ ہوا۔

حوالہ نمبر: ۳

﴿ذُقْ﴾ هذا العذاب المذل المهين ﴿إِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ﴾ في نظرك ﴿الْكَرِيمُ﴾ عند قومك : أرى : و قولوا له ذلك استهزاء به ، و تقریعا له على ما كان يزعمه من أنه عزيز كريم ، فمعناه : الذليل المهان .

روی : أن أبا جهل قال لرسول الله ﷺ : ما بين جبلى مكة أعز و أكرم منى ، فوالله ما تستطيع أنت و لا ربك أن تفعل بي شيئا فوردت الآية و عيدا له و لأمثاله ، عجا كیف أقسم بالله تعظيما له ، ثم نفى الاستطاعة عنه مع أن الرسول عليه السلام كان لا يدعو ربا سواه ، فالكلام المذكور من حيرة الكفر و حكم الجهل و تعصب النفس ، كما قالو : ﴿أَمْطُرُ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِنَ السَّمَاءِ﴾

حوالہ : تفسیر روح البیان، جلد ۸، سورۃ الدخان، آیت ۴۹، صفحہ: ۵۷۵، مطبع دار احیاء التراث العربی، بیروت

ترجمہ :

”ذُقْ“ یعنی چکھ! یہ ذلت کا عذاب! ﴿إِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ﴾ یعنی ہاں ہاں تو ہی بڑا عزت والا کرم والا ہے۔ خود اپنی ہی نظر میں۔ الکریم یعنی کرم والا تیری قوم کے لیے، یعنی یہ ابو جہل سے استہزاء کے طور پر کہو اور دھمکاتے ہوئے اس سے کہو، اس لیے کہ وہ یہ گمان کرتا تھا کہ وہ عزت والا اور کرم والا ہے اور اس طرح اسے کہنا، اسے ذلیل اور بے عزت کرنے کے لیے ہے۔

روایت ہے کہ ابو جہل نے رسول اللہ ﷺ سے کہا تھا کہ مکہ کے دو پہاڑوں کے درمیان سب

سے زیادہ عزت والا اور کرم والا شخص میں ہی ہوں۔ قسم خدا کی! تم اور تمہارا رب میرے ساتھ کچھ بھی کرنے کی طاقت نہیں رکھتے یعنی میرا کچھ بھی بگاڑ نہیں سکتے۔ لہذا یہ آیت اس کے لیے وعید کے طور پر نازل ہوئی۔ تعجب ہے کہ وہ اللہ کی طاقت کو جھٹلاتا ہے اور اپنی تعظیم جتانے کے لیے اللہ کی قسم کھاتا ہے۔ حالانکہ رسول اللہ ﷺ کے سوا کسی کی قسم نہیں کھاتے تھے، تو ابو جہل اسی رب کی قسم کھا کر اسی ہی رب کو جھٹلاتا ہے۔ پتہ چلا کہ ابو جہل کا یہ کلام کفر کی گہرائی، جہالت کی بولی اور ذاتی مخالفت کی بنا پر ہے۔ جیسا کہ اس سے پہلے نذر بن حارث نام کے کافر نے یہ کہا تھا کہ اے اللہ اگر یہی (قرآن) تیری طرف سے حق ہے تو ﴿أَمْطُرُ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِنَ السَّمَاءِ﴾ یعنی تو ہم پر آسمان سے پتھر برسسا۔

یہ ہوئی ابو جہل کی دنیا میں ذلت اور رسوائی اور اب ہم اس کی قیامت کے دن ہونے والے ذلت دیکھیں۔

حوالہ نمبر: ۴

تفسیر خزائن العرفان، مفسر: حضرت صدر الافاضل علامہ سید نعیم الدین صاحب مراد آبادی، سورۃ الدخان، آیت نمبر ۴۹، صفحہ نمبر ۴۹۲ میں ہے کہ:

”ملائکہ (فرشتے) یہ کلمہ (یعنی تو ہی بڑا اور کرم والا ہے) اہانت اور تذلیل کے لیے کہیں گے، کیوں کہ ابو جہل کہا کرتا تھا کہ بطحا (مکہ) میں میں بڑا عزت والا کرم والا ہوں، اس کو عذاب کے وقت طعنہ دیا جائے گا۔“

اب اس عنوان کی بحث کو بہت ہی غور و فکر کے ساتھ پڑھیں۔

قرآن مجید کی سورہ دخان کی آیت نمبر ۴۹ میں کافروں کے سردار ابو جہل کو عزیز اور کریم کہا گیا ہے۔ اس کا ہرگز، ہرگز یہ مطلب نہیں کہ ابو جہل کو حقیقت میں ”عزیز“ یعنی عزت والا اور ”کریم“ یعنی کرم والا کہہ کر اس کی عزت افزائی اور تعریف کی گئی ہے، بلکہ اسے بے عزت اور رسوا کرنے کے لیے

طعنہ دیتے ہوئے طنزِ اعزیز اور کریم کہہ کر شرمندہ کیا گیا ہے۔ کیوں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی قسم کھا کر اپنے کو سب سے زیادہ عزت اور کرم والا کہتا تھا، لیکن حالت یہ ہوئی کہ اس کی عزت مٹی میں ملا دی گئی ہے۔ عزت کا نام و نشان تک نہیں، عزت اور کرم کے بجائے ذلت اور رسوائی ہی ہے۔ اب اسے خود اس کا قول یاد دلا کر اسے طعنہ دیتے ہوئے عزیز اور کریم کہہ کر مزید بے عزت کیا جا رہا ہے۔

ایک مثال اس حقیقت کو اچھی طرح سمجھنے میں بہت آسانی ہوگی :

مثال :

کسی شہر میں ایک شخص رہتا تھا، چہرے پر ڈاڑھی، سر پر ٹوپی، اسلامی لباس، ہاتھ میں ہر وقت تسبیح اور دو وظائف جاری، پانچ وقت کی فرض نماز کے علاوہ چاشت، اشراق، اوابین، تہجد اور نفل نماز کا پابند، رمضان شریف کے علاوہ ہر مہینے ایام بیض کے نفل روزے، تلاوت قرآن میں زیادہ وقت صرف کرنا وغیرہ۔ مختصر یہ کہ شریعت کی پابندی کا ایسا نمونہ کہ پورے شہر میں وہ متقی اور پرہیزگار کی حیثیت سے مشہور تھا، ہر وقت وہ لوگوں کو تقویٰ اور پرہیزگاری کی نصیحت کرتا تھا، لوگوں سے کہتا تھا کہ مجھ کو دیکھ کر نصیحت حاصل کرو، اور اللہ کا خوف دل میں جما کر تقویٰ اور پرہیزگاری اختیار کرو، پورے شہر میں اس جیسا متقی اور پرہیزگار نہیں تھا۔

لیکن

ایک دن ایسا ہوا کہ اس کے شہر کے لوگوں نے اس کو قریب کے ایک شہر میں کسی رنڈی کے کوٹھے پر شراب کے نشے میں دھت ہو کر کسی بازاری عورت کے ساتھ کالا منہ کرتے ہوئے رنگے ہاتھ پکڑ لیا، دوسرے دن ان لوگوں نے اپنے شہر میں آ کر قوم کے پیشواؤں کے سامنے اس کی حقیقت بیان کی، قوم کے لوگوں نے پنچائیت بلائی اور شرعی جوتوں سے اس متقی کی پاپ لیلیا کا پردہ چاک کیا۔ اب شہر کے ہر باشندے کو اس متقی صاحب کے کالے کرتوتوں کی حقیقت معلوم ہو گئی۔ ایک وقت ایسا تھا کہ

پورے شہر کے لوگ اسے تقویٰ اور پرہیزگاری کی وجہ سے عزت کی نظر سے دیکھتے تھے، مگر اب وہ لوگوں کی نظروں میں بے آبرو ہو گیا تھا، لوگ اب اسے نفرت اور ذلت کی نظر سے دیکھتے تھے، وہ اب جہاں بھی جاتا تھا، لوگ اس کا مذاق اڑاتے تھے اور اسے آئیے متقی صاحب، آئیے پرہیزگار صاحب کہہ کر استہزاء کرتے تھے اور اسے طعنہ دیتے تھے۔

اس دھونگی متقی کی پاپ لیلیا کا پردہ چاک ہونے کے بعد اب لوگوں کا اسے متقی اور پرہیزگار کہہ کر مخاطب کرنا ہرگز اس کی عزت افزائی کے لیے نہیں بلکہ متقی اور پرہیزگار کہہ کر طعنہ دے کر استہزاء کرتے ہوئے اس کی فضیحت یعنی ذلیل کرنے کے لیے ہے۔

بلا مثال و تمثیل

کافروں کے سردار ابو جہل کو بھی طعنہ دیتے ہوئے اور اس کا مذاق اڑاتے ہوئے عزیز اور کریم کہہ کر اسے بے عزت، بے آبرو اور ذلیل کیا گیا ہے۔ اب اگر کوئی جاہل ناصح آیت کے ظاہری الفاظ کے معنی ہی کو پکڑ رکھے اور آیت کے نازل ہونے کے سبب اور تفسیر سے بے خبر ہو کر درس قرآن دینے کی حرکت کرے گا، تو وہ ہدایت کے بدلے گمراہی ہی پھیلائے گا۔

قرآن میں کس کس کو کریم کہا گیا ہے؟

”کریم“ اللہ کی صفت ہونے کے باوجود اللہ تعالیٰ کے ہی مقدس کلام میں اوروں کو بھی کریم کہا گیا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ابو جہل کے تعلق سے دو مثالیں پیش ہوئیں، اب کچھ مثالیں اختصار کے ساتھ پیش کرتے ہیں:

قرآن کے لیے:

(پارہ ۲۷، سورۃ الواقعہ، آیت ۷۷)

﴿إِنَّهُ لَقُرْآنٌ كَرِيمٌ﴾

”بے شک یہ عزت والا قرآن ہے۔“ (کنز الایمان)

اس آیت میں عزت والا کے معنی میں لفظ کریم کا استعمال قرآن شریف کی صفت اور تعریف کے طور پر ہوا ہے۔

حضرت جبریل کے لیے :

﴿إِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ﴾ (پارہ ۳۰، سورۃ تکویر، آیت نمبر: ۱۹)

ترجمہ : ”بے شک یہ عزت والے رسول کا پڑھنا ہے۔“ (کنز الایمان)

تفسیر : یعنی حضرت جبریل علیہ السلام۔

حوالہ : (تفسیر خزائن العرفان، صفحہ نمبر ۹۳۸)

نوٹ : اس آیت میں رسول فرشتے کے معنی میں ہے۔

اس آیت میں لفظ کریم کا استعمال عزت والا کے معنی میں حضرت جبریل کی تعریف اور توصیف میں ہوا ہے۔

اجر (ثواب) کے لیے :

﴿اِنَّ الْمُصَدِّقِيْنَ وَالْمُصَدِّقَاتِ وَاَقْرَضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا يُّضَعْفُ لَهُمْ وَلَهُمْ

اَجْرٌ كَرِيْمٌ﴾ (پارہ ۲۷، سورۃ الحديد، آیت نمبر: ۱۸)

”بے شک، صدقہ دینے والے مرد، اور صدقہ دینے والی عورتیں اور وہ جنہوں نے اللہ کو اچھا قرض دیا، ان کے لیے دو گنے ہیں اور ان کے لیے عزت کا ثواب ہے۔“ (کنز الایمان)

اس آیت میں لفظ کریم کا استعمال صدقہ اور خیرات کرنے والے مومنین کے اجر و ثواب کو

سراہنے کے لیے عزت کا ثواب کے معنی میں کیا گیا ہے۔

سبزیوں (ترکاریوں) کے لیے :

﴿وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَاءً فَانْتَبْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍ كَرِيْمٍ﴾ (پارہ ۲۱، سورۃ

لقمان، آیت نمبر: ۱۰)

”اور ہم نے آسمان سے پانی اتارا، تو زمین میں ہر نفیس جوڑا اگایا۔“ (کنز الایمان)

اس آیت میں لفظ کریم کا استعمال زمین سے اگنے والی سبزیوں اور ترکاریوں کی نفاست یعنی اس کی عمدگی اور پاکیزگی کے اظہار کے لیے کیا گیا ہے۔

فرعون کے مکانوں کے لیے :

جب فرعون اپنے لشکر کے ساتھ سمندر میں غرق ہو گیا، تو ان کے ہرے بھرے باغ باغیچے، لہلاتے کھیت، عمدہ پانی کے چشمے، عیش و آرام کے سامان سے آراستہ اور عالی شان مکان اور دیگر مال و دولت مصر میں یوں ہی ویران پڑے ہوئے رہ گئے، اس واقعہ کا قرآن مجید میں اس طرح بیان ہے کہ:

﴿وَاتْرَكَ الْبَحْرَ رَهْوًا ط اِنَّهُمْ جُنْدٌ مُّغْرَقُوْنَ ه كَمْ تَرَ كُؤًا مِنْ جَنَّتٍ وَّ عُيُوْنٍ ه وَّ

زُرُوْعٍ وَّمَقَامٍ كَرِيْمٍ ه﴾ (پارہ ۲۵، سورۃ الدخان، آیت نمبر: ۲۳، ۲۶)

”اور دریا کو یونہی جگہ جگہ سے کھلا چھوڑ دے، بے شک وہ لشکر ڈبویا جائے گا، کتنے چھوڑ گئے باغ اور چشمے، اور کھیت اور عمدہ مکانات۔“ (کنز الایمان)

اس آیت میں فرعون اور اس کی قوم کو عمدہ مکانوں کو ”مقام کریم“ کہہ کر بیان کیا گیا ہے۔ یعنی

قوم فرعون کے عمدہ مکانوں کے لیے بھی لفظ کریم کا استعمال کیا گیا ہے۔

حضرت یوسف کے لیے :

حضرت سیدنا یوسف علیہ السلام کے بے مثال حسن و جمال اور خوبصورتی کو دیکھ کر مصر کی عورتوں نے آپ کے لیے ”ملک کریم“ کا جملہ استعمال کیا تھا، جس کا بیان قرآن مجید میں اس طرح ہے کہ :

﴿إِنَّ هَذَا إِلَّا مَلَكٌ كَرِيمٌ﴾ (پارہ ۱۲، سورۃ یوسف، آیت نمبر ۳۱)

ترجمہ : ”یہ تو نہیں مگر کوئی معزز فرشتہ۔“ (کنز الایمان)

اس آیت میں حضرت یوسف علیہ السلام کی حیرت انگیز خوبصورتی اور حسن و جمال کا وصف بیان کرنے کے لیے معزز یعنی عزت دار کے معنی میں لفظ کریم کا استعمال کیا گیا ہے۔

جنت کے لیے :

قرآن مجید میں لفظ ”کریم“ کا استعمال جنت کو عزت کی جگہ کے وصف سے متصف کرنے کے لیے ”عزت“ کے معنی میں کیا گیا ہے۔

﴿وَنُذِخْكُمْ مَدْخَلًا كَرِيمًا﴾ (پارہ ۵، سورۃ النساء، آیت ۳۱)

ترجمہ : ”اور تمہیں عزت کی جگہ داخل کریں گے۔“ (کنز الایمان)

یہاں تک صرف لفظ ”کریم“ کے تعلق سے کل دس آیتیں پیش کی گئی ہیں، ایسی تو کئی اور آیتیں بھی پیش کی جاسکتی ہیں، جن میں لفظ کریم کا استعمال موقع اور وقت کے اعتبار سے مختلف معنوں میں ہوا ہے۔

قرآن کریم میں اللہ تبارک و تعالیٰ کے سوا :

● حضرت موسیٰ اور

● حضرت یوسف علیہما الصلوٰۃ والسلام

● ابو جہل

● قرآن مجید

● حضرت جبریل

● اجر و ثواب

● زمین سے اُگنے والی سبزیاں

● فرعون کی قوم کے مکان

● جنت

● عرش اعظم

● رزق وغیرہ کو کریم کہا گیا ہے

حالانکہ کریم اللہ تعالیٰ کی صفت ہے، تو اللہ تعالیٰ کے سوا جن کو قرآن میں کریم کہا گیا ہے، اگر ان کے لیے کریم کی صفت کا ذاتی اور حقیقی معنی لیا جائے گا، تو بڑی گڑبڑی پیدا ہو جائے گی۔ دور حاضر کے منافقوں کے ذریعہ طے شدہ مضحکہ خیز اصول پر اگر کوئی بھروسہ کرے گا۔ تو اسے قرآن میں بھی شرک کی چنگاریاں نظر آئے گی۔

جن کے دلوں میں ایمان اور عشق نبی ﷺ کا نور ہے، وہ ایسے مقام پر لفظ ”کریم“ کا مناسب مطلب اور صحیح تاویل کر کے قرآن کی آیت کا صحیح مطلب، مقصد اور مراد کو اخذ کر لے گا اور مناسب مطلب اور تاویل کرنا ضروری بھی ہے۔

اللہ تعالیٰ کی صفت ”علیم“ یعنی جاننے والا

اللہ تعالیٰ کی صفت ”علیم“ یعنی جاننے والا ہے۔ اسی طرح ایک صفت ”عالم“ بھی ہے۔ دونوں کا مطلب ایک ہی ہے۔ قرآن مجید میں لفظ علیم کا کل ۱۲۰ (ایک سو چالیس) مرتبہ اور لفظ عالم کا ۱۳۱ مرتبہ استعمال ہوا ہے۔ یہاں پر ہم لفظ علیم اور عالم کے تعلق سے صرف ایک ایک آیت پیش کرتے ہیں۔

آیت شریف :

﴿وَاتَّقُوا اللَّهَ ط إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ه﴾ (پارہ ۶، سورۃ المائدہ، آیت: ۷)

ترجمہ : ”اور اللہ سے ڈرو، بے شک اللہ دلوں کی بات جانتا ہے۔“ (کنز الایمان)

اس آیت میں ”علیم“ یعنی جاننے والا کا استعمال اللہ تعالیٰ کی صفت کے طور پر ہوا ہے۔

آیت شریف :

﴿هُوَ اللَّهُ الَّذِي لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ ط عِلْمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ ه﴾ (پارہ ۲۸، سورۃ الحشر، آیت: ۲۲)

ترجمہ : ”وہی اللہ ہے، جس کے سوا کوئی معبود نہیں، ہر نہاں و عیاں کا جاننے والا۔“ (کنز الایمان)

اس آیت میں لفظ عالم یعنی جاننے والا کا استعمال اللہ کی صفت کے لیے ہوا ہے۔

قرآن میں کس کس کو علیم کہا گیا ہے ؟

”علیم“ یعنی جاننے والا اللہ تعالیٰ کی صفت ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ہر صفت ”ذاتی“ ہے۔ اللہ تعالیٰ کی کسی بھی صفت کا کسی دوسرے کے لیے ذاتی طور پر ماننا ضرور شرک ہے۔ یعنی اگر کسی کے لیے یہ عقیدہ رکھنا کہ وہ اپنی ذات سے جاننے والا ہے یا جاننے کی صفت اس کی ذاتی ہے، تو یہ عقیدہ بے شک شرک ہے۔ لیکن اگر یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ جاننے کی اس کی صفت عطائی ہے۔ یعنی یہ جو کچھ بھی جانتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی عطا یعنی دینے سے یا بتانے سے جانتا ہے، تو ہرگز شرک نہیں۔

آئیے! قرآن کی چند آیتوں کی تلاوت کا شرف حاصل کریں، جن آیتوں میں اللہ تعالیٰ

کے سوا کسی دوسروں کو بھی ”علیم“ کہا گیا ہے۔

حضرت یوسف علیہ الصلاۃ والسلام کو :

حضرت یوسف علیہ السلام نے مصر میں اقتصادی اور انتظامی امور کے سلسلے میں مصر کے بادشاہ سے فرمایا کہ حکومت کے خزانے میرے حوالے کر دیے جائیں، کیوں کہ میں ان معاملات میں علیم یعنی

جاننے والا ہوں، حضرت یوسف علیہ الصلاۃ والسلام کی اس پیش کش کا اللہ تعالیٰ کے مقدس کلام قرآن مجید میں اس طرح ذکر ہے کہ :-

آیت شریف :

﴿قَالَ اجْعَلْنِي عَلَى خَزَائِنِ الْأَرْضِ ط إِنِّي حَفِيظٌ عَلَيْم﴾ (پارہ ۱۳، سورۃ یوسف،

آیت نمبر: ۵۵)

ترجمہ : ”یوسف نے کہا مجھے زمین کے خزانہ پر کر دے، بے شک میں حفاظت والا علم والا ہوں۔“ (کنز الایمان)

اس آیت میں حضرت یوسف علیہ الصلاۃ والسلام کا مقولہ ذکر فرمایا گیا ہے، حضرت یوسف علیہ الصلاۃ والسلام اپنے آپ کو علیم کہہ رہے ہیں، وہ بھی کس انداز میں ”اِنِّي“ لفظ کا شروع میں استعمال فرمایا، یعنی بے شک میں علیم ہوں۔

اب ذرا سوچو! علیم اللہ تعالیٰ کی صفت ہے، یہ عقیدہ حضرت یوسف علیہ الصلاۃ والسلام کو اچھی طرح معلوم تھا، کیوں کہ آپ اللہ تعالیٰ کے عظیم الشان رسول ہیں اور اللہ کی کسی بھی صفت کا کسی دوسرے کے لیے استعمال کرنا شرک ہے، پھر بھی حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے لیے علیم صفت کا کیوں استعمال کیا؟ جواب صاف ہے کہ حضرت یوسف علیہ الصلاۃ والسلام کو تو حید اور شرک کے تمام قانون معلوم تھے، انھوں نے ”ذاتی“ اور ”عطائی“ کا فرق کر کے ہی اپنے آپ کو علیم کہا ہے۔ یعنی میں اللہ کی عطا سے علیم ہوں۔ میرا علیم یعنی جاننے والا، علم والا ہونا، یہ سب اللہ تعالیٰ کی عطا سے ہے، ذاتی نہیں، لہذا یہاں پر ماننا پڑے گا کہ اس آیت میں حضرت یوسف علیہ الصلاۃ والسلام کے لیے علیم صفت کا جو استعمال ہوا ہے، وہ ذاتی صفت نہیں، بلکہ عطائی صفت ہے، اور یہ شرک نہیں، یہاں ایک بات قابل غور ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ ناپسندیدہ اگر کوئی کام ہے تو وہ شرک ہے، شرک کا

کوئی بھی کام، قول یا عقیدہ ایمان کو برباد کر دیتا ہے۔ شرک کی وجہ سے توحید کا عقیدہ ختم ہو جاتا ہے۔ اگر حضرت یوسف علیہ الصلاۃ والسلام کے قول ”بے شک میں علیم ہوں“ میں ذرا برابر بھی شرک کا دور کا بھی واسطہ یا اندیشہ ہوتا، تو حضرت یوسف علیہ الصلاۃ والسلام کے اس قول کی قرآن مجید میں سراہنا کر کے بیان نہ کیا جاتا۔ ثابت ہوا کہ بے شک ”علیم“ اللہ تعالیٰ کی ذاتی صفت ہے، مگر پھر بھی اس صفت کا دوسرے معانی میں اور عطائی صفت کے طور پر اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کے لیے استعمال کیا جاسکتا ہے اور یہ شرک نہیں۔ اب ذرا علم کے تعلق سے تھوڑی گفتگو کریں، علم کے بے شمار اقسام ہیں، اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں انسان، جنات، فرشتے، حور، غلمان اور بے شمار جانور اور ذی روح ہیں، صرف انسان کے بھی کئی اقسام ہیں، مومن، کافر، مشرک، یہودی، نصرانی، مجوس، ناستک وغیرہ۔ صرف مومن میں بھی کئی اقسام اور درجات کے لوگ ہیں، نبی، رسول، ولی، غوث، قطب، ابدال، سالک، مجذوب، حافظ، قاری، عالم، مفتی، محدث، مقرر، مجتہد، مستنبط، مفسر، معرب، متقی، مجدد، پرہیزگار، نیک، بد، فاسق، فاجر، شرابی، جواری، زانی، چور، ڈاکو، لٹیرے، وغیرہ بے شمار اقسام کے لوگ ہیں۔ ان تمام میں سے ہر ایک کو اللہ تعالیٰ نے کوئی نہ کوئی علم یا ہنر عطا فرمایا ہے۔

ہر شخص میں کوئی نہ کوئی ہنر اور کمال ضرور ہوتا ہے۔ چاہے وہ پڑھا لکھا ہو چاہے ان پڑھ ہو، عالم میں علم کے تعلق سے کمال ہوتا ہے۔ جب کہ جاہل میں دوسری طرح کا کمال ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر ایک ان پڑھ اور جاہل شخص اپنے اور اپنے خاندان کے خرد و نوش اور زندگی گزارنے کے لیے مزدوری کا پیشہ اختیار کرتا ہے۔ عام طور سے عام آدمی ۵ پانچ من (100 Kg) کی چاول کی بوری اٹھا نہیں سکتا، پڑھا لکھا شخص تو اسے ہلا بھی نہیں سکتا لیکن وہ مزدور شخص آسانی سے اپنے کندھے پر اٹھا کر چل دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے علم کے ہنر سے محروم رکھا تو قوت اور طاقت کا کمال عطا فرمادیا۔

اب ذرا غور کرو، اللہ تعالیٰ ایک صفاتی نام ”قوی“ یعنی ”قوت والا“ ہے۔ اللہ تعالیٰ کا یہ نام

قرآن شریف میں الگ الگ معنوں میں کل دس مرتبہ آیا ہے۔ اب اگر 100 گرام کی چاول کی بوری کو آسانی سے کندھے پر اٹھانے والے مزدور کو کوئی یہ کہے کہ ”یہ مزدور بہت قوت والا ہے“ تو کیا اس کہنے والے پر ”شرک کا فتویٰ“ لگا دیا جائے گا۔ حالاں کہ ”قوت والا“ اللہ کی صفت ہے۔ بلکہ قرآن مجید میں تو یہاں تک ارشاد ہے کہ :

آیت شریف :

﴿إِنَّ الْقُوَّةَ لِلَّهِ جَمِيعًا﴾ (پارہ: ۲، سورہ بقرہ، آیت نمبر: ۱۶۵)

ترجمہ : ”اس لیے کہ سارا زور خدا کو ہے۔“ (کنز الایمان)

اس آیت میں تو سارا زور یعنی قوت صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہی ہونا بتایا گیا ہے۔ لیکن یہاں پر جو قوت اور طاقت کا بیان ہے، وہ ذاتی اور ۱۰۰ گرامی کی چاول کی بوری اٹھانے والے مزدور کی قوت اور طاقت کا جو ذکر ہوا، وہ ”عطائی“ ہے۔ جب ہم نے ذاتی اور عطائی کا فرق کر دیا تو اب ”شرک“ کا کوئی اندیشہ نہیں، اس مزدور میں ضرور قوت اور طاقت ہے، لیکن اس کی یہ قوت اور طاقت اللہ تعالیٰ کی عطا سے ہونے کی وجہ سے ذاتی نہیں، بلکہ عطائی ہے۔

البتہ، اگر کوئی یہ کہے کہ مجھ میں جو بھی قوت اور طاقت ہے، وہ ذاتی ہے، عطائی نہیں، تو بے شک اس نے شرک کی بات کہی، لیکن اگر اس نے اپنی قوت اور طاقت کو اللہ کی جانب سے کہی، تو اب اس کا یہ کہنا ہرگز شرک نہیں، بلکہ قرآن مجید کے ارشاد کے مطابق ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ہے کہ:

آیت شریف :

﴿قُلْتُ مَا شَاءَ اللَّهُ لَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ﴾ (پارہ: ۱۵، سورہ الکہف، آیت: ۳۹)

ترجمہ : ”تو کہا ہوتا جو چاہے اللہ، ہمیں کچھ زور نہیں، مگر اللہ کی مدد کا۔“ (کنز الایمان)

ثابت ہوا کہ اپنی قوت اور طاقت، یا اسی طرح کا کوئی کمال اپنے اندر اللہ کی عطا سے ہونے کا

دعویٰ کرنا ہرگز شرک نہیں۔

جب اللہ تعالیٰ ”قوی“ ہے اور اللہ تعالیٰ کا قوی ہونا یعنی طاقت والا ہونا ”ذاتی“ ہے۔ اللہ تعالیٰ کی اس ذاتی صفت کو عطائی طور پر بندے کے لیے ثابت کرنا جب شرک نہیں اور ایک مزدور شخص کو ہم قوت اور طاقت والا کہہ سکتے ہیں، تو اللہ کی صفت عالم اور علیم یعنی جاننے والا کو عطائی طور پر کسی نبی یا ولی کے لیے ماننا بھی ہرگز شرک نہیں۔ جب اللہ کی عطا اور عنایت سے نبی اور ولی علیم اور عالم ہیں، تو ان کے لیے ”علم غیب“ ماننا بھی شرک نہیں۔

لیکن افسوس کہ

آج کل ہر جگہ دور حاضر کے منافق لوگ نبی اور ولی کے علم کے تعلق سے ہنگامہ مچا رہے ہیں، اور نبی اور ولی کے لیے علیم اور عالم ہونے کے عقیدے کو شرک کا فتویٰ لگاتے ہیں، کسی نبی یا ولی کے علم اور اس کے علم کی وسعت کے تعلق سے کسی نے کوئی بات کہی تو فوراً ان کے چہرے کا رنگ بدل جاتا ہے۔ لال پیلے ہو کر چلاتے ہیں کہ شرک ہو گیا، ہائے ہائے، شرک ہو گیا۔ حالاں کہ شرک کا فتویٰ لگانے والے ایسے جاہل ہوتے ہیں کہ ان کو شرک کا صحیح تلفظ بھی نہیں آتا اور شرک کو شرک بولتے ہیں۔

جب ان سے پوچھا جاتا ہے کہ جناب شرک کیوں اور کیسے ہو گیا؟ تو وہ گھسا گھسایا اور چبا چبایا پرانا ایک ہی جواب دیتے ہیں کہ علم غیب صرف اللہ کو ہی ہے، اللہ کے سوا کسی دوسرے کے لیے ”علم غیب“ ہونے کا قرآن میں انکار کیا گیا ہے۔ علیم اللہ کی صفت ہے، عالم اللہ کی صفت ہے۔ اللہ کی اس صفت کا کسی دوسرے کے لیے استعمال کرنا شرک ہے۔

اس طرح کی بے بنیاد باتیں کہہ کر شرک کے نام سے لوگوں کو ڈراتے ہیں، نبی اور ولی کے لیے عطائی صفت ”علیم“ کا استعمال کرنے پر ان کی آنکھوں میں خون اتر آتا ہے۔ لیکن ان کو یہ معلوم کر کے شاید 440 ٹولٹ کا جھٹکا لگے گا کہ قرآن مجید میں فرعون کے جادوگروں کو بھی علیم کہا گیا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خداداد معجزات کو جادو میں شمار کر کے فرعون نے ملک بھر کے جادوگروں کو آپ سے مقابلہ کرنے کے لیے جمع کیا۔ اس واقعہ کا قرآن مجید میں اس طرح بیان ہے کہ :

آیت شریف :

﴿يَأْتُوكَ بِكُلِّ سِحْرِ عَلِيمٍ﴾ (پارہ: ۹، سورۃ اعراف، آیت نمبر: ۱۱۲)

ترجمہ : ”کہ ہر علم والے جادوگر کو تیرے پاس لے آئیں۔“ (کنز الایمان)

اس آیت میں فرعون کے جادوگروں کو علیم کہا گیا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ یہاں پر کوئی صاحب یہ اعتراض کرے کہ یہاں پر فرعون کے جادوگروں کو اللہ تعالیٰ نے علیم کے خطاب سے نہیں نوازا ہے، بلکہ یہاں پر فرعون کے درباریوں نے فرعون کو مشورہ دیا کہ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مقابلہ میں ساحر علیم یعنی علم والے جادوگروں کو جمع کرنا چاہیے۔ اس آیت میں ان جادوگروں کو اللہ تعالیٰ نے علیم نہیں کہا۔

آئیے !

اب ہم قرآن مجید کی ایک ایسی آیت کریمہ کی تلاوت کر رہے ہیں، جس میں اللہ تعالیٰ نے ہی اپنے علم والے بندوں کو ”علیم“ فرمایا ہے۔ ماضی کے کسی واقعہ کے ضمن میں کسی کا مقولہ نقل نہیں کیا گیا بلکہ اللہ تعالیٰ کا صاف اور صریح مقدس ارشاد ہے، جو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر انعام و اکرام کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے:

آیت شریف :

﴿نُرْفَعُ دَرَجَاتٍ مِّنْ نَّشَأُ ط وَفَوْقَ كُلِّ ذِي عِلْمٍ عَلِيمٌ﴾

(پارہ: ۱۳، سورۃ یوسف، آیت: ۷۶)

ترجمہ : ”ہم جسے چاہیں درجوں بلند کریں اور ہر علم والے سے اوپر ایک علم والا ہے۔“ (کنز الایمان)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ ہر آدمی کے اوپر اس سے زیادہ علم رکھنے والا عالم ہوتا ہے۔ (تفسیر خزائن العرفان، صفحہ: ۳۹۱)

اس آیت سے اور اس کی تفسیر سے معلوم ہوا کہ ہر عالم سے بڑھ چڑھ کر زیادہ علم والا کوئی ضرور ہوتا ہے۔ ایسے زیادہ علم والے شخص کو قرآن مجید میں ”علیم“ فرمایا گیا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ جو اللہ تعالیٰ علیم ہے، وہ علیم رب ہی اپنے زیادہ علم والے بندوں کو علیم فرما رہا ہے۔ ثابت ہوا کہ:

اللہ تعالیٰ بھی ”علیم“ اور اللہ تعالیٰ کے بندے بھی ”علیم“

یہ جملہ پڑھ کر شاید کسی منافق زمانہ کی آنکھ سے لہو ٹپکنے لگے اور وہ چیخ چیخ کر شرک، شرک، شرک کا رونا رونے لگے۔

لیکن!!!

یہاں شرک تو کیا؟ شرک کا ادنیٰ شبہ بھی نہیں۔ کیوں کہ یہاں دونوں علیم اور علیم میں زمین اور آسمان سے بھی زیادہ فرق ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ:

- اللہ تعالیٰ علیم ہے، اس کا علم ذاتی اور حقیقی ہے۔ لہذا اللہ تعالیٰ حقیقی علیم ہے۔ کیوں کہ اس کا علم ابدی، ازلی، اور سرمدی یعنی ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ باقی رہنے والا ہے۔
- بندہ بھی علیم ہے۔ اس کا علم ذاتی اور حقیقی نہیں، لہذا بندہ عطائی اور مجازی علیم ہے۔ کیوں کہ اس کا علم حادث، فانی اور غیر سرمدی یعنی فنا ہونے والا ہے، پہلے نہ تھا، بلکہ اللہ تعالیٰ کے دینے اور بتانے سے حاصل ہوا ہے۔

مقام غور و فکر

یہاں تک ہم اللہ تعالیٰ کے صفاتی نام وہاب، معطی، سمیع، بصیر، محی، روؤف، رحیم، کریم، عالم، اور علیم کے تعلق سے قرآن مجید کی آیتوں کی روشنی میں تفصیلی گفتگو کر کے ذاتی اور عطائی کا فرق اچھی طرح سمجھا چکے ہیں۔ اس عنوان پر اب مزید گفتگو کرتے ہوئے صرف اتنا ہی کہنا ہے کہ:

- بے شک! قرآن مجید ہدایت اور نور ہے۔ قرآن مجید کی ہدایت اور نور اسے ہی حاصل ہو سکتا ہے، جو محبت رسول کی نگاہ سے قرآن کی آیتوں کے معنی، مطلب، مقصد اور مراد کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔
- اگر قرآن مجید کی آیتوں کے صرف ظاہری معنی اور لفظی ترجمہ کو ہی کوئی شخص لپٹ اور چپک رہے اور آیت کا مطلب نکالنے یا سمجھنے کی کوشش کرے گا، تو وہ کیا کیا مطلب سمجھے گا اور ہدایت کا نور حاصل کرنے کے بدلے گمراہی کے اندھیرے میں بھٹکتا رہے گا۔
- قرآن مجید کی آیت کا صحیح معنی، مطلب، مقصد، اور مراد کو سمجھنے کے لیے پہلے یہ طے کرنا ضرور ہے کہ یہ آیت کون سی قسم سے ہے۔ کیوں کہ قرآن کی آیت کی کئی قسم ہیں:
- مثلاً • آیات محکمات • آیات تشابہات • آیات مبہمات • آیات مقدمات • آیات مؤخرات
- آیات عامات • آیات خاصات • آیات ناسخات • آیات منسوخات • آیات مجملات
- آیات مبینات • آیات مطلقات • آیات منطوفات • آیات معطوفات وغیرہ وغیرہ۔
- قرآن مجید کی آیت طے کر لینے کے بعد اب یہ جاننا بھی ضروری ہے کہ اس آیت کا شان نزول کیا ہے؟ یعنی یہ آیت کیوں نازل ہوئی؟ کب نازل ہوئی؟ کس کے بارے میں نازل ہوئی؟ اور یہ سب معلومات حاصل کرنے کے لیے قرآن مجید کی تفسیر جاننا ضروری ہے۔
- قرآن مجید کی تفسیر کے بھی کئی اقسام ہیں :

تفسیر قرآن از قرآن :

یعنی قرآن مجید کی بعض آیتوں کی تفسیر قرآن مجید کی بعض آیتوں سے معلوم کی جاسکتی ہیں، بلکہ حقیقت میں قرآن کی بعض آیتیں بعض آیتوں کی تفسیر ہوتی ہیں۔

تفسیر قرآن از حدیث :

یعنی حدیثوں سے قرآن کی تفسیر معلوم کرنا۔

تفسیر قرآن از صحابہ کرام :

یعنی صحابہ کرام نے کسی آیت کی تفسیر کو حضور اقدس ﷺ سے سنا اور اچھی طرح سمجھا، پھر انھوں نے وہ تفسیر دوسرے صحابی اور تابعی کو سنائی اور سمجھائی۔

تفسیر قرآن از تابعین :

یعنی وہ تفسیر جو تابعین کرام نے صحابہ کرام کی مقدس جماعت سے سن کر اور سمجھ کر نقل کی۔

تابعین کے زمانہ کے بعد کے مفسرین :

یعنی تابعین کرام کے زمانے کے بعد تبع تابعین اور بعد کے علماء نے صحابہ اور تابعین سے جو تفسیر قولی روایت کر دی تھی ان کو قلم بند کیا اور ایک حرف کا بھی فرق نہ کیا، خاص کر تبع تابعین کے زمانے کے فوراً بعد کے زمانہ کے علماء نے فن تفسیر اور اصول تفسیر کے تعلق سے ایسی مستند اور معتبر ضخیم تفسیر کی کتابیں لکھیں، جو آنے والی نسلوں کے لیے مشعل راہ کی حیثیت رکھتی ہیں۔ مثلاً : تفسیر ابن جریر، تفسیر ابن ابی حاتم، تفسیر نیشاپوری، تفسیر ابن حبان، تفسیر ابن منذر وغیرہ۔ (حوالہ: طبقات المفسرین، از: امام المفسرین، خاتم الحفاظ، امام جلال الدین بن عبدالرحمن کمال بن ابی بکر السیوطی، ۹۱۱ھ)

اس کے بعد آیت کا انداز بیان، حقیقت اور مجاز کا فرق، ذاتی اور عطائی کا امتیاز، اور دیگر

ضروری امور جو ہم نے اوراق سابقہ میں تفصیل کے ساتھ بیان کئے ہیں۔ ان سب کا التزام کرنا ضروری ہے۔

● حاصل کلام یہ ہے کہ قرآن مجید کو صحیح معنی، مطلب اور مراد میں سمجھنے کے لیے وسیع علم کی ضرورت ہے، صرف لفظی اور ظاہری معنی کی معلومات حاصل ہو جانے پر اگر کوئی شخص یہ گمان کرے کہ میں قرآن کو سمجھنے میں ماہر ہو گیا ہوں، تو ایسا شخص گمراہ ہو جائے گا، جیسا کہ دور حاضر کے منافق گمراہ ہوئے۔

● دور حاضر کے منافقوں کے گمراہ ہونے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ انھوں نے ہر معاملہ کو تنگ نظری سے دیکھا اور اسلام کے وسیع النظر دائرے کو بھی تنگ کر دیا، حقیقت اور مجاز، ذاتی اور عطائی، خالق اور مخلوق کی صفت کا فرق اور امتیاز کرنے کے بجائے ہر معاملے کو حقیقی اور ذاتی سمجھا اور اللہ تعالیٰ کی توحید پرستی کے غلط وہم اور گمان میں شرک کا فتویٰ توپا، توحید کی آڑ میں توہین نبی کا جرم کیا۔

● خود کو سچے ”مومحد“ یعنی اللہ کو ایک اور بے مثال ماننے کے بھرم میں اللہ کے محبوب بندوں کے علم، اختیارات اور دیگر کمالات کا صرف اس لیے انکار کیا کہ اگر رسول کے لیے علم غیب مانا تو یہ کھلم کھلا شرک ہے۔ کیوں کہ اللہ تعالیٰ علم غیب کا جاننے والا ہے۔ اگر رسول کے لیے بھی علم غیب مانا، تو یہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ مساوات اور ہمسری ہوگی اور یہ شرک ہو گیا۔

انھوں نے حقیقت اور مجاز نیز ذاتی اور عطائی کا فرق نہ کیا، نہ سمجھا اور نہ ہی اس فرق کو سمجھنے کی کوشش کی، بلکہ صرف ذاتی اور حقیقی صفت الہی کا ہی گمان کیا اور شرک کے فتوے کا دھماکا کر دیا۔ اگر ہر معاملہ کو ذاتی اور حقیقی صفت پر ہی گمان کیا جائے گا تو پھر کسی کا بھی ایمان سلامت نہیں رہے گا۔

مثلاً :

کیا سب لوگ روزانہ شرک کی بولی بولتے ہیں،

اور مشرک ہیں؟

اگر ہم ذاتی اور عطائی کا فرق نہیں کریں گے اور ہر معاملہ کو ذاتی اور حقیقی معنوں پر ہی محمول کریں گے اور تو حید نیز شرک کی حقیقت سے ناواقفیت کی بنا پر ہر معاملہ کو صرف حقیقی اور ذاتی صفت کے مطلب میں ہی دیکھیں، تو شاید ہی کوئی مومن شرک کے فتویٰ سے بچے گا۔ کیوں کہ ہم اپنی روزانہ کی گفتگو میں ایسے جملے اور الفاظ عام طور پر بولتے ہیں لیکن ہمارا ان جملوں اور لفظوں کا بولنا اور سننا عطائی اور مجازی معنوں میں ہی ہوتا ہے۔ ذاتی اور حقیقی معنوں میں ہرگز نہیں بولتے، اگر ہم نے ان الفاظ اور جملوں کو حقیقی اور ذاتی صفت کے طور پر لیا تو یہ نتیجہ آئے گا کہ ہر آدمی کے گلے میں شرک کے فتوے کا تمغہ لٹکانا پڑے گا۔ چند مثالیں پیش خدمت ہیں:

بیماری کا علاج کرنے والے حکیم صاحب:

یونانی جڑی بوٹیوں اور دواؤں سے بیمار کا علاج کرنے والے کو ہم ”حکیم“ کہتے ہیں۔ بلکہ حکیم لفظ اور لقب کو ہم عام طور پر بولتے ہیں۔ ● میں حکیم صاحب کے پاس دوا لینے جاتا ہوں۔ ● آئیے حکیم صاحب، تشریف لائیے، جیسے جملے اپنی روزمرہ کی گفتگو میں بولتے ہیں، حالانکہ ”حکیم“ اللہ تعالیٰ کا صفاتی نام ہے۔ قرآن مجید میں لفظ ”حکیم“ اللہ تعالیٰ کی صفت کے طور پر استعمال ہوا ہے۔ قرآن مجید میں لفظ ”حکیم“ ۸۱/۱ کیاسی مرتبہ اور ”حکیمنا“ ۱۶/۱ سولہ مرتبہ ملا کر کل ۹۷ مرتبہ استعمال ہوا ہے۔

مذہبی معلومات رکھنے والے مولانا صاحب:

قرآن مجید میں اللہ کے لیے ”مولانا“ کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ جیسے کہ:

آیت شریف:

﴿رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهِ ج وَاعْفُ عَنَّا رِقَّةً وَاعْفِرْ لَنَا رِقَّةً وَارْحَمْنَا رِقَّةً

أَنْتَ مَوْلَانَا فَانصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ ﴿﴾ (پارہ ۳، سورۃ البقرۃ، آیت نمبر: ۲۸۶)

ترجمہ:

”اے رب ہمارے! اور ہم پر وہ بوجھ نہ ڈال جس کی ہمیں سہار نہ ہو، اور ہمیں معاف فرمادے، اور بخش دے، اور ہم پر مہر کر، تو ہمارا مولا ہے، تو کافروں پر ہمیں مدد دے۔“ (کنز الایمان) لیکن.....

● مسجد کے امام صاحب کو ● دارالعلوم کے مدرس کو ● مکتب میں بچوں کو قرآن شریف پڑھانے سکھانے والے کو ● وعظ اور تقریر کرنے والے مقرر کو ● نکاح پڑھانے والے کو اور ● داڑھی رکھنے اور اسلامی لباس اور اسلامی طور طریقے اپنانے والے بہت سارے لوگوں کو ”مولانا“ اور ”مولانا صاحب“ کہہ کر پکارتے ہیں، یا مخاطب کرتے ہیں۔

مُصَوِّر (Painter) کو:

اللہ کا ایک صفاتی نام ”مُصَوِّر“ یعنی صورت بنانے/دینے والا۔ جیسا کہ:

آیت شریف:

﴿هُوَ اللَّهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ لَهُ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَى﴾ (پارہ ۲۸، سورۃ الحشر، آیت: ۲۴)

ترجمہ:

”وہی ہے اللہ بنانے والا، پیدا کرنے والا، ہر ایک کو صورت دینے والا۔“ (کنز الایمان) حالاں کہ جان داروں کی تصویر بنانے والے پیینٹر کو ہم ”مُصَوِّر“ کہتے ہیں۔

کسی کی مدد کرنے والے کو:

اللہ تعالیٰ کا ایک صفاتی نام ”ناصر“ یعنی مددگار (مدد کرنے والا) ہے۔ قرآن مجید میں لفظ

”ناصر“ اللہ کی صفت کے طور پر استعمال ہوا ہے۔

لیکن ہم اپنی روزانہ کی گفتگو میں ● غریب کو اور حاجت مندوں کی مدد کرنے والے سخی آدمی کے لیے کہتے ہیں کہ یہ شخص غریبوں ”ناصر“ یعنی مددگار ہے۔ ● دینی کام کرنے والے کو ہم ”ناصر دین و ملت“ کہتے ہیں۔

ایسی تو کئی مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں، ان تمام مثالوں سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ:

☆ جب کسی صفت کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کی جاتی ہے، تو اس سے مراد یہ ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی یہ صفت ذاتی، حقیقی، ازلی، ابدی، سرمدی، دائمی، باقی، غیر فانی، دوامی، جاویدانی، قدیمی، مستقل، غیر حادث، برقرار، کامل، اکمل، بے عیب، غیر منقسم (نقصان بغیر کی) لا محدود، محیط، غیر مخلوق، محال لغیرہ، غیر متناہی اور واجب ہے۔

☆ جب اللہ تعالیٰ کی صفات عالیہ میں سے کسی صفت کو کسی مخلوق کی طرف منسوب کی جاتی ہے تو اس سے مراد یہ ہوتی ہے کہ بندے کی یہ صفت عطائی، مجازی، عارضی، فانی، حادث، ناقص، محدود، مخلوق، ممکن، متناہی، غیر محیط، منقسم، غیر باقی، غیر جاویدانی اور غیر قدیم ہے۔

یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے اپنے بندے کو یہ صفت، خوبی، فن، ہنر اور کمال عطا کیا اور بندہ اللہ تعالیٰ کی عطا سے ان عطائی صفت کا مجازی حامل ہوا۔ حقیقت و مجاز اور ذاتی و عطائی کا فرق کر دینے سے تمام اختلافات اور اعتراضات رفع دفع ہو جائیں گے اور شرک کے خطرہ کی گھنٹی نہیں بجے گی۔

حد ہوگی !!!

اللہ بھی ”مومن“، بندہ بھی ”مومن“

جیسا کہ ہم بیان کر چکے کہ قرآن مجید کی آیتوں کے الفاظ کے اگر صرف ظاہری معنی ہی کو بنیاد بنا کر قرآن کو سمجھنے کی کوشش کریں گے، تو ہدایت کی سیدھی راہ پانے کے بدلے گمراہی کے دلدل میں پھنس جائیں گے۔

اب ہم ایک ایسی مثال پیش کر رہے ہیں کہ جس کو پڑھ کر بات بات پر شرک کا ڈھنڈورا پیٹنے والے منافقوں کے ڈھول کا پول نظر آجائے گا۔

لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ كَلِمَةٌ پڑھ کر اسلام قبول کرنے والے کو مومن کہا جاتا ہے۔ یعنی مسلمان کو ”مومن“ کہا جاتا ہے۔ قرآن مجید میں مسلمانوں کو لفظ ”مومن“ کے معزز لقب سے خطاب کیا گیا ہے۔ عربی زبان کے گرامر کے حساب سے الگ الگ طریقے سے لفظ مومن کا استعمال ہوا ہے۔ جیسا کہ:

●	مومن	۱۵ مرتبہ
●	مومنا	۷ مرتبہ
●	مومنات	۲۲ مرتبہ
●	مومنتہ	۶ مرتبہ
●	مومنون	۳۵ مرتبہ
●	مومنین	۱ مرتبہ
●	مومنین	۱۸۸ مرتبہ
☆	کل میزان	۲۷۴ مرتبہ

■ مومن کا مطلب لغت میں اس طرح ہے:

ایمان لانے والا، ایمان دار، مسلمان (فیروز اللغات، صفحہ نمبر ۱۳۱۸)

آیت شریف:

مسلمان کو قرآن میں ”مومن“ کہا گیا ہے، اس تعلق سے ایک آیت کریمہ پیش ہے:

﴿إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ فَأَصْلِحُوا بَيْنَ أَخَوَيْكُمْ﴾ (پارہ ۲۶، سورۃ الحجرات، آیت: ۱۰)

”مسلمان مسلمان بھائی ہیں، تو اپنے دو بھائیوں میں صلح کرو۔“ (کنز الایمان)

اب آئیے! قرآن مجید کی اس مقدس آیت کی تلاوت کا شرف حاصل کریں، جس میں اللہ تبارک و تعالیٰ کے لیے لفظ ”مومن“ کا صفت کے طور پر استعمال ہوا ہے۔

﴿هُوَ اللَّهُ الَّذِي لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ ط الْمَلِكُ الْقُدُّوسُ السَّلَامُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَيَّمِنُ الْعَزِيزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ ط﴾ (پارہ ۲۸، سورۃ الحشر، آیت نمبر: ۲۳)

”وہی ہے اللہ جس کے سوا کوئی معبود نہیں، بادشاہ، نہایت پاک، سلامتی دینے والا، امان بخشنے والا حفاظت فرمانے والا عزت والا، عظمت والا، تکبر والا۔“ (کنز الایمان)

اب غور فرمائیے! قرآن مجید میں ایک ایمان لانے والے مسلمان کو ”مومن“ کہا گیا اور اللہ تبارک و تعالیٰ کے لیے بھی صفت ”مومن“ کا استعمال کیا گیا ہے۔ لیکن دونوں کے مطلب میں عظیم فرق ہے۔ اور اس عظیم فرق کو سمجھنے کے لیے قرآن کی تفسیر اور عقائد کا وسیع علم ہونا ضروری ہے۔ ساتھ میں یہ علم اور عقل ہونا بھی ضروری ہے کہ اس آیت کا ترجمہ اور مفہوم جو میں اخذ کر رہا ہوں اس سے اسلامی عقیدے پر کوئی ضرب آرہی ہے یا نہیں؟ اگر اتنی صلاحیت اور قابلیت نہیں اور آیت کے الفاظ کے ظاہری معنی اور مطلب کو ہی پکڑ کر قرآن کو سمجھنے کی حرکت کرے گا، تو ہدایت پانے کے بدلے گمراہ ہو جائے گا۔

مثال کے طور پر

■ سورۃ حشر کی آیت نمبر ۲۳ میں اللہ تعالیٰ کی ایک صفت ”مومن“ بیان کی گئی، اس لفظ مومن کو

بنیاد بنا کر اگر کوئی عقل و فہم کا دشمن یہ کہے کہ:

”قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ کو مومن کہا گیا ہے اور میں بھی مومن ہوں اور قرآن میں ہی

ہے کہ مسلمان سب بھائی بھائی ہیں، لہذا اللہ کا میں بھائی ہوا۔“ (معاذ اللہ)

ذرا سوچو! اس بے وقوف نے کہاں کی بات کہاں اور کہاں کی نسبت کہاں پہنچائی؟ قرآن سے ہدایت پانے کی بجائے گمراہی پائی۔ خود کو اللہ کا بھائی کہہ کر اسلام اور ایمان سے ہی نکل گیا۔ اسے اتنا بھی علم نہیں کہ اللہ کا بھائی ہونے کا عقیدہ توحید الہی کے سراسر خلاف ہے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کی شان میں گستاخی اور بے ادبی ہے۔

اسے اتنا بھی نہیں معلوم کہ:

■ جب لفظ ”مومن“ کی نسبت مسلمان بندے کی طرف کی جائے گی، تو اس کے معنی ”ایمان دار“ یا ”ایمان لانے والا“ ہوں گے۔

■ جب لفظ ”مومن“ کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کی جائے گی، تو اس کے معنی ”امان بخشنے والا“ یا ”امان دینے والا“ ہوں گے۔

معلوم ہوا کہ ہر جگہ ہر لفظ ایک ہی معنی میں نہیں لیا جائے گا، بلکہ موقع اور نسبت کے تعلق سے ہی اس کا مناسب اور موزوں معنی او مطلب لیا جائے گا۔ خالق اور مخلوق کا فرق مد نظر رکھنا اور اسی طرح حقیقت اور مجاز کا فرق نیز ذاتی اور عطائی کا فرق کرنا لازمی اور ضروری ہے۔ ورنہ کیا کیا مطلب بلکہ بامعنی لفظ بے معنی ہو کر رہ جائے گا۔

اگر ہر لفظ کا ہر جگہ ایک ہی معنی اور مطلب لیا جائے گا، تو قرآن کا صحیح مطلب، معنی، مقصد، اور مراد کبھی بھی سمجھ میں نہیں آسکتا۔ نتیجہ یہ ہوگا کہ تھوڑا بہت اردو پڑھا لکھا شخص قرآن مجید کا درس دینے بیٹھ جائے گا اور قرآن مجید کے رموز و اسرار سے یک لخت جاہل ہونے کی وجہ سے آیت کے الفاظ کے ظاہری

معنی کو ہی بنیاد بنا کر خود گمراہ ہوگا اور دوسروں کو بھی گمراہ کرے گا۔ یہی حال دور حاضر کے منافقوں کا ہے۔ جس کو قرآن کی آیتوں کی قسمیں تک معلوم نہیں، آیت کا شان نزول کیا ہے؟، آیت کس کے حق میں ہے؟ اس کا حکم عام ہے یا خاص؟ یہ حکم اب منسوخ ہے یا نہیں؟ اس کی تفسیر کیا ہے؟ آیت میں وارد لفظ کس معنی میں ہے؟ حقیقی اور مجازی فرق کیا ہے؟ کیوں ہے؟ ذاتی اور عطائی صفت کا کس انداز سے بیان ہے؟ اس کا تفاوت کیا ہے؟ ان تمام لازمی معلومات سے جاہل شخص اپنے آپ کو مفسر قرآن اور مترجم قرآن سمجھنے کے مغالطے میں ہاتھ میں مانگ پکڑ کر اوٹ پٹا تک تقریر کرتا ہے یا ہاتھ میں قلم تھام کر مضحکہ خیز کتاب لکھ ڈالتا ہے، لوگوں کو گمراہی کی جال میں پھنسانے کے لیے ایسی گمراہ کرنے والی کتاب کا تقویۃ الایمان، قرآنی درس توحید، یا حفظ الایمان جیسا خوبصورت نام رکھ دیتا ہے اور لوگوں کے ایمان و عقائد کے ساتھ کھلواڑ کرتا ہے۔

مؤدبانہ گزارش

یہاں تک کی تمہیدی گفتگو کے بعد ہم اپنے اصل مقصد کی طرف آتے ہیں۔ آج کل کے منافقین بھولے بھالے مسلمانوں کو گمراہ کرنے کے لیے ہمیشہ قرآن مجید کی آیتوں کے ظاہری اور لفظی معنی میں غلط استدلال کے ساتھ ساتھ آیت کی شان نزول پوشیدہ رکھ کر اور اس میں اپنا غلط نظریہ ملا کر ایسی گمراہی بھری بات بتاتے ہیں کہ کم پڑھا لکھا آدمی کبھی یہ گمان بھی نہیں کر سکتا کہ یہ شخص مجھے دھوکہ دے رہا ہے۔ بلکہ اس کی بات کو قرآنی تعلیم سمجھ کر بھروسہ کرتا ہے اور گمراہ ہو جاتا ہے۔ دھوکہ دینے والا منافق اس کی جہالت کا بھرپور فائدہ اٹھاتا ہے اور اپنے مقصد میں کامیاب ہوتا ہے۔

دور حاضر کے منافق کا صرف ایک ہی مقصد ہے، کہ مسلمان کا رشتہ انبیائے کرام اور اولیائے عظام سے کاٹ دیا جائے اور توحید کی آریں نبی اور ولی کی شان میں گستاخی اور بے ادبی کی جائے۔

جیسا کہ اس کتاب کے صفحہ نمبر: ۸۲ پر ”مقام غور و فکر“ عنوان کے تحت ہم نے قرآن مجید کی

آیتوں کے اقسام بیان کرنے کے بعد قرآن کی تفسیر کے سلسلہ میں تفصیلی بحث کی ہے۔ اس کے تعلق سے قارئین کرام کو اچھی خاصی معلومات حاصل ہو چکی ہوگی، جس کا حاصل یہ ہے کہ جب تک قرآن مجید کی آیت کی قسم، اس کا شان نزول، اور تفسیر معلوم نہیں ہوگی، تب تک اس آیت کا صحیح مطلب، مقصد اور مراد سمجھ میں نہیں آسکتا اور نہ ہی اس آیت کا راز، فلسفہ اور اس کی حکمت سمجھ میں آسکتی ہے۔ ان تمام ضروری اور لازمی امور کو دور حاضر کے منافقین نظر انداز کر کے آیت کے الفاظ کے صرف ظاہری معنی کو بنیاد بناتے ہیں، اور پھر اس آیت کا من چاہا مطلب بیان کر کے گمراہی پھیلاتے ہیں، بلکہ یہاں تک ظلم کرتے ہیں کہ :

- جو آیتیں مشرکوں کے رد میں نازل ہوئی ہیں، ان کو مسلمانوں پر چسپاں کرتے ہیں۔
- جو آیتیں کفار اور مشرکوں کے معبودان باطل اور بتوں کی مذمت میں نازل ہوئی ہیں، ان کو انبیاء اور اولیاء کے بارے میں نازل ہونا بتاتے ہیں۔

اس طرح وہ اللہ تعالیٰ کے مقدس کلام کا اپنے ناپاک مقصد کے لیے غلط استعمال کرتے ہیں اور قرآن کے نام پر بھولے بھالے مسلمانوں کو دھوکہ دینے کا گناہ عظیم کرتے ہیں، اور یہ کوئی نئی بات نہیں، بلکہ زمانہ قدیم سے منافقوں کا یہ دستور چلا آتا ہے کہ جو آیت کفار اور مشرکوں کے حق میں نازل ہوئی ہیں، ان کو مسلمانوں پر چسپاں کر دیتے ہیں۔ دور حاضر کے منافقین اپنے ماضی کے آقاؤں کے نقش قدم پر چلتے ہوئے، یہی طریقہ اپنائے ہوئے ہیں، یہ طریقہ کتنا خطرناک ہے، اس بارے میں ایک حدیث شریف پیش خدمت ہے۔

کفار کے حق میں نازل ہونے والی آیت کو

مسلمانوں پر فٹ کرنے والا کیسا ہے؟

بخاری شریف میں ہے کہ :

”وَكَانَ بِنُ عُمَرَ يَرَاهُمْ شَرَارَ خَلْقِ اللَّهِ وَقَالَ إِنَّهُمْ أَنْطَلِقُوا إِلَى آيَاتِ نَزَلَتْ فِي

الْكُفَّارِ فَجَعَلُوها عَلَى الْمُؤْمِنِينَ.

حوالہ: صحیح البخاری، باب قتال الخوارج، کتاب استنابۃ المعاندین والمرتدین، جلد ۲، صفحہ نمبر ۱۰۲۴

ترجمہ:

”اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما انھیں تمام مخلوق سے بدتر سمجھتے تھے اور انھوں نے فرمایا کہ ان لوگوں نے یہ طریقہ اپنایا ہے کہ جو آیتیں کفار کے حق میں نازل ہوئی ہیں، ان کو مسلمانوں پر چسپاں کرتے ہیں۔“

اس حدیث سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ جلیل القدر صحابی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ خوارج یعنی خارجی فرقہ والوں کو تمام مخلوق سے بدتر یعنی بہت برا سمجھتے تھے، اس کی کیا وجہ تھی؟ صرف یہی کہ وہ لوگ یعنی خارجی لوگ قرآن مجید کی وہ آیتیں جو کافروں اور مشرکوں کے بارے میں نازل ہوئی ہیں، ان آیتوں کو مسلمانوں پر چسپاں یعنی فٹ کرتے تھے۔

ٹھیک یہی طریقہ دور حاضر کے وہابی، دیوبندی، تبلیغی، اہل حدیث اور دیگر باطل فرقہ والوں نے اپنا رکھا ہے۔ انبیائے کرام اور اولیائے عظام سے مسلمانوں کا رشتہ توڑنے کے لیے انبیاء و اولیاء کی عقیدت اور محبت کے جائز اور نیک کاموں کو شرک، کفر اور حرام ثابت کرنے کے لیے ان آیتوں کو بطور ثبوت پیش کرتے ہیں، جو کافروں اور مشرکوں کے حق میں نازل ہوئی ہیں۔ ان آیتوں کے من چاہے ترجمے اور مطلب بیان کرتے ہیں اور جھوٹ، دھوکہ بازی اور مکر و فریب کا سہارا لے کر مشرکوں کے وہ کام جو وہ اپنے بتوں کے ساتھ کیا کرتے تھے، ان کاموں کو اور دور حاضر میں انبیاء اور اولیاء کی عقیدت میں مسلمانوں کے ذریعے کیے جانے والے جائز کاموں کو یکساں ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور بھولے بھالے مسلمانوں کو گمراہ کرتے ہیں، علاوہ ازیں جو آیتیں بتوں کے بارے میں نازل ہوئی ہیں، ان آیتوں کو انبیاء اور اولیاء پر چسپاں کرنے سے بھی کسی قسم کی ہچکچاہٹ محسوس نہیں کرتے۔

کچھ مثالیں پیش خدمت ہیں:

پوجنا کو پکارنا کر دیا

قرآن مجید کی آیتیں کہ جن کا مطلب عام طور سے لوگوں کو معلوم نہیں ہوتا، ان آیتوں کے مطلب میں فرق کر کے اپنا من چاہا مطلب اس طرح بیان کرتے ہیں کہ بے علم اور کم پڑھا لکھا شخص اس فرق کو سمجھ نہیں سکتا اور منافقوں کے ذریعہ بیان کیے گئے غلط اور من گڑھت ترجمہ کو صحیح سمجھتا ہے اور گمراہ ہوتا ہے۔ مثلاً:

● قرآن مجید میں ہے کہ:

وَيَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَنْضُرُهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ وَيَقُولُونَ هَؤُلَاءِ شَفَعُونَنا عِنْدَ اللَّهِ ط (پارہ ۱۱، سورۃ یونس، آیت نمبر: ۱۸)

ترجمہ:

”اور اللہ کے سوا ایسی چیز کو پوجتے ہیں، جو ان کو نہ کچھ نقصان دیوے اور ان کا کچھ بھلا نہ کرے اور کہتے ہیں کہ یہ اللہ کے یہاں ہمارے سفارشی ہیں۔“ (کنز الایمان)

ہم نے یہاں سورۃ یونس کی آیت نمبر ۱۸ کا جو ترجمہ لکھا ہے، وہ بالکل صحیح لفظی ترجمہ ہے، جس سے آیت کا صحیح مطلب، مقصد، اور مراد ظاہر ہے۔

یہ آیت کافروں اور مشرکوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ تفسیر کی معتبر کتابوں میں صاف لکھا ہوا ہے کہ یہ آیت ان کافروں اور مشرکوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے جو بتوں کی پوجا کرتے تھے اور بتوں کو اپنا سفارشی سمجھتے تھے، بلکہ وہ کافر اور مشرک یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ جن بتوں کی ہم پوجا کرتے ہیں، وہ بت اللہ کے یہاں ہماری سفارش کریں گے یعنی چھٹکارا و نجات دلائیں گے۔ کافروں اور مشرکوں کے اس باطل عقیدے کا رد کرتے ہوئے قرآن مجید میں ارشاد ہے کہ کافروں اور مشرکوں

نے جن بتوں کو اپنا سفارشی سمجھ کر ان کی پوجا کرنا اپنایا ہے، وہ بت ان کو کسی قسم کا کوئی فائدہ یا نقصان نہیں پہنچا سکتے۔

لیکن !!!

وہابی، دیوبندی اور تبلیغی جماعت کے لوگ اس آیت کو مسلمانوں پر چسپاں کرتے ہیں۔ وہابی جماعت کے پیشوا اور امام مولوی اسماعیل دہلوی کی بدنام کتاب ”تقویۃ الایمان“ میں اس آیت کے تحت صاف لکھا ہے کہ:

”یعنی جن لوگوں کو پکارتے ہیں، اللہ نے ان کو کچھ قدرت نہیں دی، نہ فائدہ پہنچانے کی، نہ نقصان کرنے کی، اور جو کہتے ہیں کہ یہ بزرگ اللہ کے پاس ہمارے سفارشی ہیں، تو یہ بات تو اللہ نے انھیں بتائی، پھر کیا تم اللہ سے زیادہ خبردار ہو، اس کو وہ بات بتاتے ہو جو وہ نہیں جانتا؟ اس آیت سے معلوم ہوا کہ تمام آسمان وزمین میں کوئی کسی کا ایسا سفارشی نہیں ہے کہ اس کو ماننے اور پکارنے سے کچھ فائدہ یا نقصان پہونچے، بلکہ انبیاء اور اولیاء کی جو سفارش ہے، وہ اللہ کے اختیار میں ہے، ان کے پکارنے یا نہ پکارنے سے کچھ نہیں ہوتا“

حوالہ : تقویۃ الایمان، مؤلف: مولوی اسماعیل دہلوی،

ناشر: الدار السلفیہ، بمبئی، ۷۱/۱ ارواں ایڈیشن، ۲۰۰۶ء، صفحہ: ۱۸

اب قارئین کرام کی خدمت میں عرض ہے کہ آپ خود انصاف فرمائیں کہ، مولوی اسماعیل دہلوی نے لوگوں کو دھوکہ دینے کے لیے کیسی خطرناک چال چلی ہے اور کس طرح سے قرآن مجید کی آیت کا مطلب بدل دیا ہے۔

تقویۃ الایمان کی پیش کردہ عبارت کے جملوں پر آپ غور فرمائیں:

■ ”یعنی جن لوگوں کو پکارتے ہیں“

دیکھیے! کیسے فریب دیا جا رہا ہے، قرآن مجید کی آیت میں ﴿يَعْبُدُونَ﴾ ہے۔ جس کا مطلب ہوتا ہے ”پوجتے ہیں، عبادت کرتے ہیں“ اس آیت میں کہیں بھی ”يُنَادُونَ“ یعنی پکارتے ہیں کا لفظ نہیں ہے۔ کیوں کہ کفار اور مشرکین بتوں کی پوجا کرتے تھے اور بتوں کو معبود یعنی عبادت کے لائق سمجھتے تھے، اس آیت میں کافروں کی مورتی پوجا (بت پرستی) کا رد کیا گیا ہے۔ لیکن مولوی اسماعیل دہلوی نے اس آیت کا اصل مطلب بدلنے کے لیے ”پوجنے“ کو ”پکارنا“ کر دیا اور بتوں کو پوجنے کا مطلب بدل کر ”بزرگوں کو پکارنا“ کر دیا۔ پھر آگے چل کر یہاں تک لکھ دیا کہ:-

■ ”اللہ نے ان کو کچھ قدرت نہیں دی، نہ فائدہ پہنچانے کی، نہ نقصان کرنے کی، اور جو کہتے ہیں کہ یہ بزرگ اللہ کے پاس ہمارے سفارشی ہیں، تو یہ بات تو اللہ نے انھیں نہیں بتائی۔“

کیسی خطرناک چال چلی جا رہی ہے، سورہ یونس کی آیت نمبر ۱۸ میں کہیں بھی بزرگوں کا ذکر نہیں، لیکن یہاں پر زبردستی اور کھینچ تان کر بزرگان دین کا ذکر کیا جا رہا ہے۔ یہ آیت کافروں اور مشرکوں کے ذریعہ کی جانے والی بت پرستی اور بتوں کے ساتھ رکھی جانے والی عقیدت کے رد میں نازل ہوئی ہے اور یہ بتایا گیا ہے کہ کفار جن بتوں کو پوج رہے ہیں اور بتوں کے ساتھ یہ عقیدہ اور امید رکھتے ہیں کہ یہ بت اللہ کے پاس ہماری سفارش کریں گے، کفاروں کے اس باطل اعتقاد کا اس آیت میں رد کیا گیا ہے کہ بتوں کی پوجا کرنے والے سن لیں، کہ جن بتوں کو تم اپنا سفارشی اور حمایتی سمجھ کر پوجتے ہو، یہ بت تم کو کچھ بھی فائدہ یا نقصان نہیں پہنچا سکتے۔

آئیے! قرآن مجید کی چند معتبر اور مستند تفسیروں کے حوالے دیکھیں :

حوالہ نمبر: ۱

امام اجل، رئیس المفسرین، امام فخر الدین رازی کی مشہور اور مقبول تفسیر فخر الرازی جو عالم اسلام میں ”تفسیر کبیر ومفاتیح الغیب“ کے نام سے جانی اور پہنچانی جاتی ہے۔ اس میں ہے کہ:

”أَعْلَمُ إِنَّا ذَكَرْنَا أَنَّ الْقَوْمَ إِنَّمَا التَّمَسُّوا مِنَ الرَّسُولِ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قُرْآنًا غَيْرَ هَذَا الْقُرْآنِ أَوْ تَبْدِيلَ هَذَا الْقُرْآنِ لِأَنَّ هَذَا الْقُرْآنُ مَشْتَمِلٌ عَلَى شَتْمِ الْأَصْنَامِ الَّتِي جَعَلُوهَا إِلَهَةً لِأَنفُسِهِمْ ، فَلِهَذَا السَّبَبِ ذَكَرَ اللَّهُ تَعَالَى فِي هَذَا الْمَوْضِعِ مَا يَدُلُّ عَلَى قُبْحِ عِبَادَةِ الْأَصْنَامِ“

حوالہ: تفسیر کبیر، از: امام فخر الدین رازی، المتوفی ۶۰۴ھ، ناشر: دار الفکر، لبنان، جلد ۹، صفحہ ۶۲

ترجمہ:

”معلوم ہونا چاہیے، جیسا کہ ہم نے ذکر کیا کہ بے شک قوم (کافروں) نے رسول اللہ ﷺ سے اس قرآن کے بدلے دوسرے قرآن کی یا اس قرآن کو بدل دینے کی گزارش کی، کیوں کہ یہ قرآن مشتمل ہے مذمت پران بتوں کی جن کو وہ اپنا الہ بنائے ہوئے ہیں، یہی سبب ہے کہ یہاں پر اللہ تعالیٰ نے بتوں کے پرستش کی قباحت کا ذکر فرمایا۔“

تفسیر کبیر کی مذکورہ بالا عبارت سے صاف ثابت ہوا کہ یہ آیت کافروں کا بتوں کو اپنا معبود سمجھ کر کی جانے والی بت پرستی کے رد میں نازل ہوئی ہے۔ اس میں کہیں بھی بزرگان دین کا یا بزرگوں کو پکارنے کا ذکر تک نہیں اور نہ ہی مسلمانوں کا ذکر ہے۔ بلکہ کافروں اور بتوں کا ہی رد ہے۔

حوالہ نمبر: ۲

”وَالظَّاهِرُ أَنَّ الْمُرَادَ هُنَا الْأَصْنَامَ - لِأَنَّ الْعَرَبَ إِنَّمَا كَانُوا يَعْبُدُونَهَا وَكَانَ أَهْلُ الطَّائِفِ يَعْبُدُونَ اللَّاتَ وَ أَهْلُ مَكَّةَ الْعُزَّى وَ مَنَاةَ وَ هَبْلَ وَ آسَافًا وَ نَائِلَةَ ﴿ وَيَقُولُونَ هُوَ لَأَءِ شُفَعَاؤُنَا عِنْدَ اللَّهِ ﴾ أَخْرَجَ ابْنُ أَبِي حَاتِمٍ عَنْ عِكْرَمَةَ قَالَ: كَانَ النَّضْرِبُنُّ الْحَارِثِ يَقُولُ: إِذَا كَانَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ شَفَعَتْ لِي اللَّاتُ وَ الْعُزَّى وَ فِيهِ نَزَلَتِ الْآيَةُ“

حوالہ: روح المعانی فی تفسیر القرآن العظیم والسبع المثانی، تالیف: العلامة ابی الفضل شہاب الدین السید محمود البغدادی، المتوفی ۱۲۷۰ھ، الناشر: دارالکتب العلمیہ، بیروت، المجلد الرابع، صفحہ ۸۳

ترجمہ:

”اور ظاہر یہ ہے کہ یہاں مراد بت ہے، اس لیے کہ اہل عرب بتوں کی پوجا کرتے تھے، طائف والے ’لات‘ نام کے بت کی اور مکہ والے عذہ، منات، ہبل، اساف اور نائلہ نام کے بتوں کی پوجا کرتے تھے۔ اور آیت کریمہ ”وَيَقُولُونَ هُوَ لَأَءِ شُفَعَاؤُنَا عِنْدَ اللَّهِ ط“ کی تفسیر میں حضرت ابن ابی حاتم نے حضرت عکرمہ سے روایت کی کہ نذر ابن حارث (نام ایک کافر کا) کہتا تھا کہ قیامت کا دن ہوگا، تو لات اور عذہ میری شفاعت کریں گے، اس کے اس کہنے کے رد میں یہ آیت شریف نازل ہوئی۔“

حوالہ:

روح المعانی فی تفسیر القرآن العظیم والسبع المثانی، مفسر: علامہ ابوالفضل شہاب الدین السید محمود بغدادی، متوفی: ۱۲۷۰ھ، ناشر: دارالکتب العلمیہ، بیروت، جلد نمبر ۴، صفحہ نمبر: ۸۳

حوالہ نمبر: ۳

اردو زبان کی عام فہم اور مشہور تفسیر یعنی ”تفسیر نعیمی“ میں ہے کہ :
شان نزول: ابن ابی حاتم نے حضرت عکرمہ سے روایت کی کہ ایک بار نذر ابن حارث نے بارگاہ رسالت میں عرض کیا تھا کہ قیامت میں میری شفاعت لات اور عذہ کریں گے، اس کی تردید میں یہ آیت اتری۔

حوالہ:

اشرف التفاسیر، از: حکیم الامت، حضرت مفتی احمد یار خاں نعیمی،

ناشر: ضیاء القرآن پبلیکیشن، لاہور، پاکستان، جلد نمبر: ۱۱، صفحہ نمبر: ۲۲۷

یہاں پر صرف تین حوالے پیش کیے ہیں۔ حالانکہ تفسیر کی دیگر کتابیں:

■ تفسیر ابن کثیر، از: امام اسماعیل قرشی دمشقی، متوفی: ۷۷۷ھ

■ تفسیر معالم التنزیل، از: امام ابو محمد حسین بغوی، متوفی: ۵۱۶ھ

■ تفسیر بیضاوی، از: قاضی امام نصیر الدین ابوسعید عبداللہ بن عمر بیضاوی شافعی، متوفی: ۶۸۵ھ

- تفسیر خازن، از: امام علاء الدین علی بغدادی، متوفی: ۲۵۷ھ
 - تفسیر مدارک التنزیل، از: امام ابوالبرکات عبداللہ بن محمود نسفی، متوفی: ۱۰۷۰ھ
 - تفسیر جلالین شریف، از: جلال الدین ابوبکر بن کمال بن ابوبکر سیوطی، متوفی: ۹۱۱ھ
- ان تمام تفسیروں میں بھی صاف لکھا ہوا ہے کہ یہ آیت کریمہ یعنی پارہ نمبر ۱۱ سورہ یونس کی آیت نمبر: ۱۸ صرف اور صرف:

■ بتوں کی پوجا کرنے کے رد میں،

■ کافروں اور مشرکوں کی بت پرستی کی تردید میں،

■ بتوں کو اپنا سفر شئی سمجھنے کے رد میں اور

■ بت نہ فائدہ پہنچا سکتے ہیں اور نہ نقصان پہنچا سکتے ہیں، اس حقیقت کے بیان میں

نازل ہوئی ہے۔

لیکن

مولوی اسماعیل دہلوی نے اپنی کتاب ”تقویۃ الایمان“ میں ترجمہ سے ہٹ کر اپنا من چاہا مطلب بیان کیا اور پوجنا کے ترجمہ کو پکارنا کے مطلب میں بدل ڈالا، کیسی دھوکہ بازی ہے؟ مگر اس طرح کافریم اور دھوکہ نہ دیتے تو اسے مسلمانوں کو مشرک کہنے کا موقع نہ ملتا۔ اس پر مزید ستم یہ کیا کہ اس آیت میں بتوں کے رد کی حقیقت کی آرمیں انبیاء اور اولیاء کی شان میں بھی گستاخی کرتے ہوئے لکھ دیا کہ:

■ ”انبیاء اور اولیاء کو پکارنے یا نہ پکارنے سے کچھ نہیں ہوتا۔“

حالاں کہ.....

یہ آیت مسلمانوں پر یا انبیاء اور اولیاء پر کسی طرح بھی چسپاں نہیں ہو سکتی، کیوں کہ آیت کریمہ میں بتوں کو بے اختیار بتایا گیا ہے اور جو بے اختیار ہوتا ہے، وہ کسی کو نہ فائدہ پہنچا سکتا ہے، نہ کسی کو کوئی

نقصان پہنچا سکتا ہے اور وہ بارگاہ الہی میں کسی کی شفاعت بھی نہیں کر سکتا۔ کیوں کہ شفاعت وہی کر سکتا ہے جو اللہ تعالیٰ کا مقرب اور محبوب ہو، جو مغضوب ہو یعنی جس پر اللہ کا غضب اور عذاب ہو، وہ کسی کی کیا شفاعت کرے گا؟ اور بت تو مغضوب ہے، بلکہ جہنم کا ایندھن (جلانے کی چیز) ہے۔

آیت شریف:

﴿إِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ أَنْتُمْ لَهَا وَارِدُونَ ۝﴾

(پارہ: ۱۷، سورۃ الانبیاء، آیت نمبر: ۹۸)

ترجمہ:

”بے شک تم (مشرک) اور جو کچھ اللہ کے سوا تم پوجتے ہو (بت) سب جہنم کے ایندھن ہو، تمہیں اس میں جانا۔“ (کنز الایمان)

خوب یاد رکھیں کہ مشرک اور ان کے معبود یعنی تمام بتوں پر اللہ کا غضب اور غضب کی وجہ سے مغضوب ہیں اور جہنم کا ایندھن (Fuel) ہیں۔

جب کہ اللہ کے محبوب بندے یعنی انبیاء، اولیاء، صدیقین، شہداء، صالحین، متقین، وغیرہ اللہ کے وہ بندے ہیں، جن پر اللہ تعالیٰ کا انعام اور اکرام ہے اور وہ جنت میں اپنے رب کے پاس ہیں۔

آیت شریف:

﴿وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَالرَّسُولَ فَأُولَٰئِكَ مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِينَ ۝﴾ (پارہ ۵، سورۃ النساء، آیت ۶۹)

ترجمہ:

”اور جو اللہ اور اس کے رسول کا حکم مانے، تو اسے ان کا ساتھ ملے گا جن پر اللہ نے فضل کیا یعنی انبیاء اور صدیق اور شہید اور نیک لوگ۔“ (کنز الایمان)

اس آیت میں صاف بتایا گیا ہے کہ (۱) انبیائے کرام (۲) صدیقین حضرات (۳) شہدائے کرام (۴) صالحین عظام یعنی اولیائے کرام و بزرگان دین پر اللہ نے فضل یعنی مہربانی بخشش فرمائی ہے۔

آیت شریف :

﴿إِن أَوْلِيَاءُ إِلَّا الْمُتَّقُونَ﴾ (پارہ: ۹، سورۃ الانفال، آیت نمبر: ۳۴)

ترجمہ :

”اس کے اولیاء تو پرہیزگار ہی ہیں۔“ (کنز الایمان)

اس آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اولیاء پرہیزگار ہوتے ہیں اور جو پرہیزگار ہیں، وہ اللہ کو پیارے ہوتے ہیں اور اللہ ان کے ساتھ ہے۔

قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ :

آیت شریف :

﴿وَأَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ مَعَ الْمُتَّقِينَ﴾ (پارہ: ۲، سورۃ البقرہ، آیت: ۱۹۴)

ترجمہ :

”اور جان رکھو کہ اللہ ڈروالوں کے ساتھ ہے۔“ (کنز الایمان)

اس آیت میں ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ متقیوں (ڈرنے والوں) کے ساتھ ہے۔ اور متقی حضرات جنت میں ہوں گے۔ قرآن مجید میں کئی آیتوں میں اس کا بیان ہے۔

چند آیتوں کے حوالے پیش خدمت ہے :

■ متقیوں کے لیے جنت کا وعدہ ہے۔ (پارہ: ۳۱، سورہ رعد، آیت نمبر: ۳۵)

■ متقی لوگوں کے لیے ہمیشہ کے باغ (جنت) کا وعدہ ہے۔

(پارہ: ۱۸، سورۃ الفرقان، آیت نمبر: ۱۵)

■ جنت پرہیزگاروں کے لیے تیار رکھی ہے۔ (پارہ: ۴، سورۃ آل عمران، آیت نمبر: ۱۳۳)

■ متقی باغوں اور چشموں یعنی جنت میں ہے۔ (پارہ: ۱۴، سورۃ حجر، آیت نمبر: ۴۵)

■ قریب لائی جائے گی جنت پرہیزگاروں کے لیے۔ (پارہ: ۱۹، سورۃ شعراء، آیت نمبر: ۹۰)

■ بے شک پرہیزگار باغوں (جنت) اور چین میں ہیں۔ (پارہ: ۲۷، سورۃ طور، آیت نمبر: ۱۷)

■ بے شک ڈروالوں کے لیے ان کے رب کے پاس چین کے باغ ہیں۔

(پارہ: ۲۹، سورۃ قلم، آیت نمبر: ۳۴)

معلوم ہوا کہ پرہیزگار حضرات قرآن مجید میں کیے گئے وعدے کے مطابق جنت میں ہوں گے، علاوہ ازیں تمام انبیاء اور اولیاء پرہیزگار ہی تھے، بلکہ ہر نبی اور ولی ضرور پرہیزگار ہوتے تھے، تو انبیاء اور اولیاء الہی وعدے کے مطابق جنت میں جائیں گے۔

انصاف کرو !!!

سورہ یونس کی آیت نمبر: ۱۸ جو کافروں، مشرکوں اور بتوں کے رد میں نازل ہوئی ہے، اس آیت کو وہابی، دیوبندی، تبلیغی، اور غیر مقلد جماعت کے امام مولوی اسماعیل دہلوی نے مسلمان، انبیاء اور اولیاء پر کبھی سے چسپاں کر دی ہے۔

■ انبیاء اور اولیاء سے توسل کرنے، استغاثہ کرنے اور پکارنے والے مسلمانوں کے جائز کام کو کافروں اور مشرکوں کی بت پرستی کی طرح ثابت کرنے کے لیے آیت کے لفظ ﴿يَعْبُدُونَ﴾ پوجتے ہیں کا مطلب (يُسَادُونَ) پکارتے ہیں، بیان کر کے ایمان والوں کو مشرک ثابت کر رہے ہیں۔

■ اللہ کے نیک، مقبول اور محبوب بندے یعنی انبیائے کرام اور اولیائے عظام کو مجبور، بے اختیار، عاجز ثابت کرنے کے لیے کافروں کے معبود بتوں کے بارے میں جو آیت نازل ہوئی ہے،

اسے انبیاء اور اولیاء کی جن پر اللہ تعالیٰ کا انعام ہوا ہے، جو متقی ہونے کی وجہ سے اللہ کے دوست ہیں، جن کے ساتھ اللہ ہے، جن کے لیے جنت تیار رکھی گئی ہے، ایسے مقبول بارگاہ الہی حضرات کو بتوں کے برابر بتانا اور کفار مکہ بتوں کو اپنا شفیق سمجھتے تھے، اس کا قرآن میں رد کیا گیا ہے، اس کی آڑ میں انبیاء اور اولیاء کی شفاعت کا انکار کرتے ہوئے اپنی کتاب ”تقویۃ الایمان“ میں یہاں تک لکھا دیا کہ: ”تمام آسمان وزمین میں کوئی کسی کا سفارشی نہیں کہ اس کو ماننے اور پکارنے سے کچھ فائدہ یا نقصان پہنچے، بلکہ انبیاء اور اولیاء کی جو سفارش ہیں، وہ اللہ کے اختیار میں ہے، ان کے پکارنے یا نہ پکارنے سے کچھ نہیں ہوتا۔“

حوالہ: تقویۃ الایمان، صفحہ نمبر: ۱۸

اب دیکھو کہ منافقین زمانہ بھولے بھالے مسلمانوں کو قرآن کی آیت سے کس طرح دھوکہ دیتے ہیں۔

بتوں کے بارے میں نازل شدہ آیتوں کو انبیاء و اولیاء پر چسپاں کرنے کا فریب

منافقین زمانہ کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ قرآن مجید میں جو آیتیں بتوں کی مذمت میں نازل ہوئی

ہیں، ان آیتوں کو انبیاء کرام اور اولیائے عظام پر چسپاں کرنا اور بھولے بھالے مسلمانوں کو گمراہ کرنا۔

ایک حوالہ پیش خدمت ہے:

”انبیاء اور خواص امت عالم میں تصرف سے عاجز ہیں:

قال اللہ تعالیٰ:

﴿وَيَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَهُمْ رِزْقًا مِّنَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ

شَيْئًا وَلَا يَسْتَطِيعُونَ﴾ (پارہ: ۱۴، سورۃ النحل، آیت: ۷۳)

اور یہ اللہ کو چھوڑ کر ایسے لوگوں کی عبادت کرتے ہیں، جو ان کے لئے آسمان وزمین سے کسی قسم کے رزق کے مالک نہیں ہیں اور نہ انھیں اس کی کچھ طاقت ہے۔

یعنی یہ مشرک ایسے لوگوں کی اللہ جیسی تعظیم کرتے ہیں، جنہیں کچھ اختیار حاصل نہیں اور وہ ان کی روزی پہنچانے میں کچھ دخل نہیں رکھتے، نہ آسمانوں سے مینہ برسائیں، نہ زمین سے کچھ اُگائیں اور ان کو کسی نوع کی قدرت نہیں۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ عوام میں کچھ لوگ جو یہ کہتے ہیں کہ انبیاء و اولیاء یا امام اور شہیدوں کو عالم میں تصرف کرنے کی قدرت تو ہے، لیکن اللہ کی تقدیر پر وہ شاکر ہیں اور اس کے ادب سے دم نہیں مارتے، اگر چاہیں تو ایک دم میں الٹ پلٹ کر دیں لیکن شرع کی تعظیم کر کے چپ بیٹھے ہیں، تو یہ سب بات غلط ہے، بلکہ کسی کام میں نہ بالفعل ان کو دخل ہے، نہ اس کی طاقت رکھتے ہیں۔“

حوالہ: تقویۃ الایمان، از: مولوی اسماعیل دہلوی،

ناشر: دارالسلفیہ، بمبئی، سن طباعت: جولائی ۲۰۰۶ء، صفحہ: ۵۱

انصاف کریں!.....!

قارئین کرام سے گزارش ہے کہ آپ ہماری فریاد پر منصفانہ غور و فکر کرنے کے بعد انصاف کریں۔

”تقویۃ الایمان“ میں مولوی اسماعیل دہلوی نے قرآن شریف، پارہ نمبر: ۱۴، سورۃ نحل، آیت

نمبر: ۷۳ اور آیت کا ترجمہ لکھنے کے بعد جو کچھ بھی لکھا ہے، اس کو پڑھ کر کوئی سوچ میں پڑ سکتا ہے کہ واقعی

قرآن میں انبیاء اور اولیاء کے تعلق سے ایسا فرمایا گیا ہے؟ لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ آیت ہرگز ہرگز انبیاء

اور اولیاء کے بارے میں نازل نہیں ہوئی، بلکہ مشرکوں کے معبود بتوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔

آئیے! چند حوالے قرآن مجید کی معتبر اور مستند تفسیروں میں دیکھیں۔

حوالہ نمبر: ۱

”قَوْلَهُ تَعَالَى ﴿وَيَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَهُمْ رِزْقًا مِّنَ السَّمَوَاتِ

وَالْأَرْضِ شَيْئًا وَلَا يَسْتَطِيعُونَ ﴿۱﴾ اَعْلَمَ أَنَّهُ تَعَالَى لَمَّا شَرَحَ أَنْوَاعًا كَثِيرَةً فِي دَلَائِلِ التَّوْحِيدِ، وَتِلْكَ الْأَنْوَاعُ كَمَا أَنَّهَا دَلَائِلٌ عَلَى صَحَّةِ التَّوْحِيدِ، فَكَذَلِكَ بَدَأَ بِذِكْرِ أَقْسَامِ النَّعْمِ الْجَلِيلَةِ الشَّرِيفَةِ، ثُمَّ اتَّبَعَهَا فِي هَذِهِ الْآيَةِ بِالرَّدِّ عَلَى عَبْدَةِ الْأَصْنَامِ

حوالہ: تفسیر الفخر الرازی المعروف بالتفسیر کبیر، از: امام اجل فخر الدین رازی،

ناشر: دار الفکر، لبنان، جلد ۱۰، جزء ۲۰، صفحہ نمبر: ۸۵

ترجمہ:

”اللہ تعالیٰ کا فرمانا کہ: اور اللہ کے سوا ایسوں کو پوجتے ہیں، جو انہیں آسمان اور زمین سے کچھ بھی روزی دینے کا اختیار نہیں رکھتے، نہ کچھ اور کر سکتے ہیں، جان لو کہ اللہ تعالیٰ نے توحید کی دلیلوں میں بہت سی قسموں کا خلاصہ (وضاحت) فرمایا ہے اور وہ قسم توحید کی صحت کی دلیل ہے۔ لہذا اس آیت میں پہلے شریف اور جلیل نعمتوں کا ذکر فرمایا گیا ہے، پھر بعد میں بتوں کی عبادت کا رد فرمایا گیا ہے۔“

تفسیر کبیر کا جو حوالہ ابھی آپ نے دیکھا، اس میں کہیں بھی کسی نبی یا ولی یا امام یا شہید کا ذکر نہیں، بلکہ کسی انسان تک کا بھی ذکر نہیں، اس کے باوجود مولوی اسماعیل دہلوی نے اس آیت سے غلط مطلب نکال کر اس آیت کو نبی، ولی، امام اور شہید پر فٹ کر دی۔

حوالہ نمبر: ۲

اسی آیت کی تفسیر میں ایک اور حوالہ قارئین کرام کی خدمت میں پیش ہے۔

﴿وَيَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ﴾ قَالَ أَبُو حَبَّانٍ هُوَ اسْتِغْنَافُ أَخْبَارٍ عَنْ حَالِهِمْ فِي عِبَادَةِ الْأَصْنَامِ

حوالہ: روح المعانی فی تفسیر القرآن العظیم والسبع المثانی، از: العلامة ابوالفضل شہاب الدین

السید محمود البغدادی المتوفی ۱۲۰ھ، الناشر: دار الکتب العلمیہ، لبنان، جلد ۷، صفحہ نمبر: ۳۶۰

ترجمہ:

”اور اللہ کے سوا پوجتے ہیں، کہا ابو حبان نے یہ کافروں کی بت پرستی کی حالت کو پھر سے بیان کرنا ہے۔“

تفسیر کے دونوں حوالوں سے صاف طور پر ثابت ہو گیا کہ یہ آیت شریف:

● کافروں کے رد میں ہے۔

● کافروں کے معبود یعنی پتھر کے بتوں کے رد میں ہے۔

● بت پرستی کا رد کرتے ہوئے بیان کیا گیا ہے کہ کافر جن بتوں کو اپنا معبود سمجھ کر اس کی عبادت کرتے ہیں، وہ بت آسمان اور زمین سے کسی قسم کے رزق کے مالک نہیں۔

● کافروں کے معبود بتوں کو کسی قسم کی کوئی طاقت نہیں۔

● کافروں کے معبود بت کچھ بھی نہیں کر سکتے۔

افسوس تو اس بات کا ہے کہ جو آیت بتوں کے رد میں نازل ہوئی ہے، اس کو انبیاء، اولیاء، امام اور شہیدوں پر فٹ کرنے کے لیے وہابی، دیوبندی، تبلیغی جماعت کے پیشوا نے آیت کے معنی، مطلب اور مفہوم بیان کرنے میں کیسا خطرناک فریب دیا ہے۔

اب ذرا دیکھیں کہ اس آیت کے ضمن میں کیسی دھوکہ بازی سے کام لیا گیا ہے۔

■ ”تقویۃ الایمان“ کتاب میں مولوی اسماعیل دہلوی نے اس آیت کے ترجمہ میں لکھا ہے، کہ ”اور یہ اللہ کو چھوڑ کر ایسے لوگوں کی عبادت کرتے ہیں“ اس آیت کے ترجمہ میں ”لوگوں“ کا لفظ نہیں ہونا چاہیے، بلکہ یہاں پر ترجمہ میں ”لوگوں“ کا لفظ آسکتا ہی نہیں۔ کیوں کہ آیت شریف میں (يَعْبُدُونَ النَّاسَ) یعنی ”لوگوں کی عبادت کرتے ہیں“ نہیں ہے۔ صرف ”يَعْبُدُونَ“ یعنی عبادت کرتے ہیں، اتنا ہی ہے۔ ”النَّاسُ“ یعنی لوگوں کا لفظ نہیں ہے۔ جو

قارئین حضرات عربی زبان سے واقف ہیں وہ اس نقطہ کو اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں کہ یہاں پر آیت کے ترجمہ میں لوگوں کا لفظ اپنی طرف سے ڈال دیا ہے۔ جو لوگ عربی زبان سے واقفیت نہیں رکھتے ان کو آسانی سے سمجھ میں آجائے اس مقصد سے اس آیت کے ہر لفظ کو الگ الگ کر کے اور اس لفظ کا ترجمہ کر کے لکھ رہے ہیں، تاکہ ہر عربی جاننے والا اور نہ جاننے والا بھی آسانی سے سمجھ سکے کہ اس آیت کے ترجمہ میں کس طرح دھوکہ بازی سے کام لیا گیا ہے۔

آیت شریف اس طرح ہے :

﴿وَيَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَهُمْ رِزْقًا مِنَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ شَيْئًا

وَلَا يَسْتَطِيعُونَ﴾

اب آئیے! اس آیت کے ہر لفظ کو الگ الگ کر کے اس کا ترجمہ دیکھیں۔

- وَيَعْبُدُونَ اور عبادت کرتے ہیں۔
- مِنْ دُونِ اللَّهِ اللہ کے سوا ایسوں کی
- مَا لَا يَمْلِكُ جو اختیار نہیں رکھتے
- لَهُمْ رِزْقًا انھیں روزی دینے کا
- مِنَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ شَيْئًا آسمان اور زمین سے کچھ بھی
- وَلَا يَسْتَطِيعُونَ نہ کچھ کر سکتے ہیں۔

اس آیت کے ہر لفظ کے ترجمہ میں کہیں بھی ”لوگوں“ کا ترجمہ نہیں ہوتا، کیوں کہ آیت شریف میں کہیں بھی ”الناس“ کا لفظ ہی نہیں، آیت کے ترجمہ میں صرف اتنا ہی ہے کہ اللہ کے سوا ایسوں کی عبادت کرتے ہیں، اور اس سے مراد بت ہیں، تفسیر کبیر اور تفسیر روح المعانی کے جو دو حوالے پیش کیے ہیں، اس میں صاف لکھا ہے کہ یہاں مراد بت ہیں، جن کو مشرک لوگ اپنا

معبود سمجھ کر پوجتے تھے۔ مگر مولوی اسماعیل دہلوی نے اپنی طرف سے لوگوں کا لفظ جان بوجھ کر بڑھا دیا ہے۔ کیوں کہ وہ اس آیت کو نبی، ولی، امام اور شہید پر چسپاں کرنا چاہتے ہیں، اس لیے شروع ہی سے اپنے لیے راہ ہموار کر رہے ہیں، کیوں کہ اس آیت کو نبی اور ولی، امام اور شہید پر چسپاں کرنے کے لیے یہاں پر ”لوگوں“ کا ترجمہ کرنا لازمی ہے۔ لوگوں کا ترجمہ کر کے بتوں کو خارج کر دیا گیا ہے۔ کیوں کہ بتوں کے لیے لوگوں کا لفظ نہیں بولا جاتا۔

یعنی کتاب پڑھنے والا ترجمہ پڑھ کر ہی پہلا دھوکہ کھائے اور ایسا خیال کرے کہ یہ آیت بتوں کے رد میں نہیں بلکہ لوگوں یعنی انسانوں کے رد میں ہے۔ ترجمہ پڑھ کر اس کے وہم و گمان میں بھی یہ بات نہیں ہوگی کہ یہ آیت بتوں کے رد میں ہے۔ اب اس کا دماغ صرف اور صرف ایک ہی بات سوچے گا کہ یہ آیت ایسوں انسانوں کے رد میں ہے کہ جن کی لوگ عبادت کرتے ہیں۔

ترجمہ لکھ لینے کے بعد اب مولوی اسماعیل دہلوی نے ایک خطرناک چال چلی ہے۔ آیت کے ترجمہ میں ”عبادت کرتے ہیں“ لکھا ہے، لیکن آیت کے معنی میں اب عبادت کا لفظ ہٹا کر تعظیم کا لفظ ڈال دیا اور آیت کا مطلب اس طرح لکھ دیا کہ ”یعنی یہ مشرک ایسے لوگوں کی اللہ جیسی تعظیم کرتے ہیں، جنہیں کچھ اختیار حاصل نہیں۔“

کیسی دھوکہ بازی کی جا رہی ہے، پہلے ترجمہ میں ”لوگوں“ کا لفظ بڑھایا اور اب مطلب میں عبادت کے بدلے ”تعظیم“ کا لفظ ڈال دیا، آہستہ آہستہ ٹرن لیتے ہوئے بات کو کس طرح بدل دیا ”بتوں کی عبادت“ کو کس طرح بدل کر ”لوگوں کی تعظیم“ کر دیا۔

”بتوں کی عبادت“ کے مطلب کو ”لوگوں کی تعظیم“ کے مطلب میں بدل کر کتاب پڑھنے والے کو قرآن کے نام پر دھوکہ دیا جا رہا ہے۔ کتاب پڑھنے والے کا ذہن اب یہی ہوگا کہ مکہ

کے مشرک اپنے سماج کے کچھ لوگوں کی تعظیم کرتے تھے اور یہ کام اللہ کو ناپسند ہے کہ کسی کی تعظیم کی جائے، لہذا قرآن میں اللہ کے سوا کسی کی بھی تعظیم کرنا مشرکوں اور کافروں کا کام ہے۔ اب اس کے دماغ میں یہ بات گھس گئی ہے کہ اللہ کے سوا کسی کی تعظیم نہیں کرنی چاہیے۔ تو اب اس کو دوسری خوراک دیتے ہوئے اسماعیل دہلوی نے لکھ دیا کہ :

■ ”انبیاء و اولیاء یا امام اور شہیدوں کو عالم میں تصرف کرنے کی قدرت کا کچھ لوگوں کا جو عقیدہ ہے، وہ غلط ہے۔“

پہلے یہ لکھا کہ مشرک جن لوگوں کی تعظیم کرتے ہیں، انہیں کچھ اختیار نہیں، دیکھو! اور غور کرو! بتوں کی پوجا کے رد میں نازل ہونے والی آیت کو بتوں سے ہٹا کر ان لوگوں پر جن کی مشرک تعظیم کرتے ہیں، ان پر فٹ کیا، پھر انبیاء، اولیاء، اماموں اور شہیدوں پر فٹ کیا، اب نتیجہ یہ ہوا کہ جن بتوں کے رد میں آیت نازل ہوئی تھی، وہ پردے کے پیچھے چلے گئے اور نشانے پر صرف انبیاء، اولیاء، امام اور شہید آگئے، صرف یہاں پر آ کر بات ختم نہیں ہوئی بلکہ ظلم کی انتہا تو یہ ہے کہ یہ آیت بتوں کی پوجا کے رد میں تھی لیکن اب ظالم کا نشانہ بتوں سے ہٹنے کے ساتھ ساتھ پوجا سے بھی ہٹ گیا اور پوجا سے ہٹ کر تعظیم پر آ کر ٹھہر گیا۔

■ جو آیت بتوں کی پوجا کے رد میں نازل ہوئی تھی، اس آیت کے ترجمہ، معنی اور مطلب میں لفظوں کی ہیرا پھیری کرتے ہوئے آیت کو بزرگان دین کی تعظیم کے رد میں چسپاں کر دی، بزرگان دین سے اپنی دلی دشمنی نکالنے کے لیے بتوں کے رد میں نازل اس آیت سے ایک ساتھ دو کام کو انجام دیے، بلکہ یوں کہیے کہ ایک تیر سے دو شکار کیے۔

پہلا : ”انبیاء، اولیاء اماموں اور شہیدوں کی تعظیم نہیں کرنی چاہیے، ایسا کام مشرک کرتے ہیں، جو قرآن کے حکم کے خلاف ہے۔“

دوسرا : ”مشرکین جن کی تعظیم کرتے تھے، وہ کسی قسم کا کوئی اختیار نہیں رکھتے تھے، اسی طرح آج کل مسلم قوم جن بزرگان دین کی تعظیم کرتے ہیں، وہ بھی کسی قسم کا کوئی تصرف اور اختیار نہیں رکھتے۔“

بس ہو گیا کام تمام! قرآن مجید کی آیت سے ہی مجھے دھوکہ دیا جا رہا ہے، اس حقیقت سے انجان کم پڑھا لکھا شخص ”تقویۃ الایمان“ کتاب میں درج قرآن شریف کی سورہ نحل کی آیت نمبر ۶ کی وضاحت کو پڑھ کر یہ سمجھنے لگتا ہے کہ انبیاء اور اولیاء کی تعظیم کرنا قرآن کی تعلیم کے خلاف اور مشرکوں جیسا کام ہے۔ لہذا ان کی تعظیم کرنا نہیں چاہیے اور بزرگان دین کی تعظیم نہ کرنا ہی عین قرآن کی تعلیم پر عمل کرنا ہے اور سچی توحید ہے۔ اس طرح کا غلط نظریہ جب اس کے دماغ میں جم جاتا ہے، تو وہ اب اولیائے کرام اور انبیائے عظام کی تعظیم اور ادب کرنے کو اسلام کے اصول کے خلاف سمجھ کر، ہر اس کام کو برا سمجھنے لگتا ہے جس کام کے کرنے سے انبیاء اور اولیاء کی تعظیم ظاہر ہوتی ہے۔

اسی کا نام ہے ”تحریف قرآن“ یعنی قرآن کو بدلنا، حالاں کہ وہ قرآن کی اصلی عربی آیت کو تو نہیں بدل سکتا، لیکن آیت کے معنی، مطلب اور مراد اور مقصد میں اپنی ذاتی رائے کو اتنا زیادہ دخل دیتا ہے کہ آیت کا بالکل الٹا ہی مطلب بیان کر دیتا ہے اور یہ فریب ایسے حسین انداز سے دیتا ہے کہ پڑھنے والے کے وہم اور گمان میں بھی نہیں ہوتا کہ مجھے قرآن کے نام سے دھوکہ دیا جا رہا ہے۔

کیا اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی بھی تعظیم نہیں کرنی چاہیے؟

وہابی دیوبندی اور تبلیغی جماعت کے امام مولوی اسماعیل دہلوی کی رسوائے زمانہ کتاب ”تقویۃ الایمان“ پڑھ کر شاید کوئی کم پڑھا لکھا شخص یہ سمجھنے لگے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی بھی تعظیم نہیں کرنی چاہیے۔ کیوں کہ یہ کافروں اور مشرکوں کا طریقہ ہونے کی وجہ سے قرآنی درس توحید کے خلاف ہے۔ اور جو کام توحید الہی کے خلاف ہوتا ہے وہ شرک ہے۔

آئیے!

اس اہم سوال کا جواب ہم اللہ تعالیٰ کے مقدس کلام ”قرآن مجید“ میں حاصل کریں۔
الحمد للہ! قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کی توحید کا درس دینے کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کے محبوب بندوں اور اللہ تعالیٰ کی نشانیوں کے ادب اور تعظیم کی تعلیم بھی دی گئی ہے۔

آیت شریف:

”إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَ مَبَشِّرًا وَ نَذِيرًا ۝ لِّتُؤْمِنُوا بِاللَّهِ وَ رَسُولِهِ وَ تُعَزِّرُوهُ وَ تُوَفِّرُوهُ وَ تَسْبِّحُوهُ بُكْرَةً وَ آصِيلاً ۝“
(پارہ ۲۶، سورۃ الفتح، آیت ۸، اور ۹)

ترجمہ:

”بے شک ہم نے تمہیں بھیجا حاضر و ناظر اور خوشی اور ڈر سنانا، تاکہ اے لوگو! تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور رسول کی تعظیم و توقیر کرو اور صبح و شام اللہ کی پاکی بولو۔“ (کنز الایمان)
اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے صاف لفظوں میں حکم دیا ہے کہ رسول کی تعظیم اور توقیر کرو۔
اگر اس آیت کریمہ پر غور اور فکر کریں گے، تو تین باتیں سامنے آئیں گی، یعنی اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے تین باتوں کا حکم دیا ہے۔

- پہلا: اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ۔
- دوسرا: رسول کی تعظیم اور توقیر کرو۔
- تیسرا: صبح و شام اللہ کی عبادت کرو۔

پہلی بات، یعنی ایمان اور تیسری بات یعنی عبادت کو جوڑنے والی دوسری بات یعنی رسول کی تعظیم اور توقیر ہے۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ اگر کوئی شخص ایمان کا دعویٰ کرتے ہوئے عبادت کرتا ہے، مگر رسول کی تعظیم کا انکار کرتا ہے تو اس کی عبادت کا کوئی مطلب ہی نہیں، کیوں کہ ایمان لانے کے بعد

رسول اکرم ﷺ کی تعظیم کا درجہ ہے۔ اس کے بعد عبادت کا درجہ ہے۔ اگر تعظیم رسول نہیں تو ایمان اور عبادت کو جوڑنے والی بیچ کی اہم کڑی نہ ہونے کی وجہ سے ایمان اور عبادت میں کوئی ربط نہ رہے گا، بلکہ ایمان اور عبادت کا کنکشن ہی ٹوٹ جائے گا۔ اگر تعظیم رسول نہیں تو آدمی لاکھ عبادت کرے، اس کی عبادت بے کار ہے اور اسے ایمان کی حلاوت حاصل ہو نہیں سکتی۔

قرآن مجید کی سورۃ فتح کی آیت نمبر ۸ اور ۹ کا جو ترجمہ ہم نے یہاں پیش کیا ہے، وہ ترجمہ امام عشق و محبت مجددین و ملت امام احمد رضا محقق بریلوی کے ترجمہ قرآن یعنی کنز الایمان سے پیش کیا ہے ہو سکتا ہے کہ کوئی مخالف اس ترجمہ کو نہ مانتے ہوئے یہ کہے کہ اس آیت میں رسول کی مدد کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور تعظیم کا ترجمہ بریلویوں نے اپنی طرف سے کر دیا ہے۔ لہذا غلط اور بے معنی اعتراض کرنے والے کو خاموش کرنے کے لیے یہاں پر وہابی، دیوبندی اور تبلیغی جماعت کے حکیم الامت مولوی اشرف علی تھانوی کا ترجمہ پیش کر رہے ہیں:

”ہم نے آپ کو گواہی دینے والا اور بشارت دینے والا اور ڈرانے والا کر کے بھیجا ہے، تاکہ تم لوگ اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور اس کی مدد کرو اور اس کی تعظیم اور صبح و شام اس کی تسبیح میں لگے رہو۔“ (ترجمہ قرآن، بنام: بیان القرآن، از: مولوی اشرف علی تھانوی، ناشر: فرید بک ڈپو، دہلی، صفحہ نمبر: ۶۱۲)

مولوی اشرف علی تھانوی کے ترجمہ میں بھی تعظیم کا لفظی ترجمہ ہے۔

آیت شریف:

”فَالَّذِينَ آمَنُوا بِهِ وَعَزَّرُوهُ وَ نَصَرُوهُ وَ اتَّبَعُوا النُّورَ الَّذِي أُنزِلَ مَعَهُ ۙ أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ“ (پارہ ۹، سورۃ الاعراف، آیت نمبر: ۱۵۷)

”تو وہ جو اس پر ایمان لائیں اور اس کی تعظیم کریں اور اسے مدد دیں اور اس نور کی پیروی کریں، جو اس کے ساتھ اترے، وہی بامراد ہوئے۔“ (کنز الایمان)

اس آیت میں ایمان لانے کے بعد نبی کی تعظیم کا درجہ بتایا گیا ہے۔ اس کے بعد نبی کی حمایت کا درجہ اور پھر نبی کی پیروی کا درجہ بتایا گیا ہے۔ مختصر یہ کہ ایمان لانے کے بعد تمام نیک عملوں سے مقدم نبی ﷺ کی تعظیم کا درجہ ہے۔ اگر ایمان لانے کے بعد نبی کی تعظیم کرتا ہے، تو سب عمل مقبول بارگاہ الہی ہیں، ورنہ تمام عمل منہ پر مار دیے جائیں گے۔ یعنی سب عمل بے کار اور رد ہو جائیں گے۔

قرآن نبی کی تعظیم کا حکم دیتا ہے اور منافق تعظیم سے روکتا ہے

قرآن مجید کی سورہ فتح اور سورہ اعراف کی پیش کردہ دو آیتوں سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ نبی کی تعظیم ایمان کی جان ہے۔ اگر دل میں حضور اقدس ﷺ کی تعظیم نہیں، تو ایمان کا دعویٰ اور عمل کا ارتکاب دونوں بے کار ہیں، مگر افسوس کے آج کے دور میں منافق زمانہ شرک کے نام سے ڈرا کر لوگوں کو انبیاء اور اولیاء کی تعظیم سے روکتے ہیں اور قرآن کی آیتوں کے غلط ترجمے، مطلب، مراد اور مقصد بیان کر کے لوگوں کو گمراہ کرتے ہیں اور لوگوں کو یہ بتاتے اور سمجھاتے ہیں کہ صرف اللہ ہی کی تعظیم کرنی چاہیے اور اللہ کے سوا کسی کی بھی تعظیم اور کسی کا بھی ادب نہیں کرنا چاہیے۔

حالاں کہ.....

قرآن مجید میں اللہ کے سوا دوسروں کی تعظیم اور ادب کرنے کا حکم اور ذکر کئی جگہ موجود ہے۔ یہاں پر چند مثالیں پیش خدمت ہیں:

ادب کی وجہ سے نبی کی آواز سے اپنی آواز بلند مت کرو

ایک صحابی رسول جن کا نام حضرت ثابت بن قیس بن شماس رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھا، انھیں ایک

یعنی جسمانی نقص یہ تھا کہ وہ اونچا سنتے تھے۔ یعنی Deafness بہرا پن کی وجہ سے وہ کم سنتے تھے اور تجربہ سے ثابت ہے کہ جو خود بہرا ہونے کی وجہ سے کم سنتا ہے وہ یہ سمجھتا ہے کہ ہر شخص کم سنتا ہے۔ لہذا جب وہ بات کرتا ہے تو بلند آواز سے ہی بات کرتا ہے۔

حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی اسی نفسیاتی Psychology جذبہ کی وجہ سے جب بھی کسی سے بات کرتے تھے، تب اونچی آواز سے بات کرتے تھے۔ لہذا وہ جب بارگاہ رسالت میں حاضر ہوتے اور حضور اقدس جان ایمان ﷺ سے بات چیت کرتے تھے، تب بھی بلند آواز سے بات چیت کرتے تھے، ان کی آواز حضور اقدس ﷺ کی آواز مبارک سے بھی اونچی ہو جاتی تھی۔ کسی معظم شخصیت کے سامنے اونچی آواز میں بات کرنا خلاف تہذیب اور خلاف ادب ہے۔

تفسیر کبیر میں ہے کہ:

”وَذَاكَ لِأَنَّ رَفَعَ الصَّوْتِ دَلِيلٌ قَلِيلٌ الْإِحْتِشَامِ وَتَرَكَ الْأَحْتِرَامَ“

تفسیر کبیر، از: علامہ فخر الدین رازی، مطبوعہ: بیروت، جلد ۱۴، صفحہ ۱۱۳

حوالہ:

ترجمہ:

”اور وہ اس لیے کہ آواز بلند کرنا دلیل ہے شان کی قلت (کمی) کی اور احترام (ادب) کے چھوڑ دینے کی۔“

تفسیر کبیر کے حوالہ سے ثابت ہوا کہ کسی بزرگ ذات گرامی کے ساتھ بلند آواز سے بات کرنا، اس بات کی دلیل ہے کہ اس طرح بلند آواز سے بات کرنے والے کے دل میں اس بزرگ کی شان و شوکت کم ہے اور وہ ادب کو چھوڑ رہا ہے۔

حضرت ثابت بن قیس بن شماس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے جسمانی نقص ”ثقل سماعت“ (بہرا پن) کی وجہ سے حضور اقدس ﷺ کے روبرو بلند آواز سے گفتگو کرتے تھے، لیکن مشیت الہی کو

یہ پسند نہ تھا کہ محبوب کے دربار میں ادب کا لحاظ اس طرح چھوڑا جائے، لہذا قرآن کریم میں محبوب کا ادب اور احترام سکھانے کے لیے حکم نازل ہوا کہ :

آیت شریف :

”يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوا لَهُ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ أَنْ تَحْبَطَ أَعْمَالُكُمْ وَأَنْتُمْ لَا تَشْعُرُونَ“
(پارہ ۲۶، سورۃ الحجرات، آیت نمبر: ۲)

ترجمہ :

”اے ایمان والو! اپنی آواز اونچی نہ کرو اس غیب بتانے والے نبی کی آواز سے اور ان کے حضور بات چلا کر نہ کہو، جیسے آپس میں ایک دوسرے کے سامنے چلاتے ہو، کہ کہیں تمہارے عمل اکارت نہ ہو جائیں اور تمہیں خبر نہ ہو۔“ (کنز الایمان)

تفسیر اور شان نزول :

یعنی جب حضور میں کچھ عرض کرو، تو آہستہ پست آواز میں عرض کرو، یہی دربار رسالت کا ادب و احترام ہے۔ اس آیت میں حضور کا اجلال و اکرام و ادب و احترام تعلیم فرمایا گیا اور حکم دیا گیا کہ ندا کرنے میں ادب کا پورا لحاظ رکھیں، جیسے آپس میں ایک دوسرے کو نام لے کر پکارتے ہیں، اس طرح نہ پکاریں بلکہ کلمات ادب و تعظیم و توصیف و تکریم و ادب و عظمت کے ساتھ عرض کرو، جو عرض کرنا ہو، کہ ترک ادب سے نیکیاں کے برباد ہونے کا اندیشہ ہے۔

شان نزول :

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ یہ آیت حضرت ثابت بن قیس بن شماس کے حق میں نازل ہوئی۔ انھیں نقل سماعت تھا اور آواز ان کی اونچی تھی، بات کرنے میں آواز

بلند ہو جایا کرتی تھی، جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضرت ثابت اپنے گھر میں بیٹھے رہے اور کہنے لگے کہ میں تو اہل نار (جہنمی) سے ہوں، حضور اقدس ﷺ نے حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ان کا حال دریافت فرمایا۔ حضرت سعد نے عرض کیا کہ وہ میرے پڑوسی ہیں اور میرے علم میں انھیں کوئی بیماری نہیں ہوئی، پھر حضرت سعد نے حضرت ثابت سے اس کا (یعنی حضور تمہارا حال مجھ سے پوچھ رہے تھے) ذکر کیا۔ حضرت ثابت نے کہا، کہ یہ آیت نازل ہوئی ہے اور تم جانتے ہو کہ میں تم سب سے زیادہ بلند آواز ہوں، تو میں جہنمی ہو گیا، حضرت سعد نے یہ حال خدمت اقدس میں عرض کیا تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ وہ اہل جنت سے ہے۔

حوالہ :

تفسیر خزائن العرفان، از: علامہ صدر الافاضل، سید نعیم الدین مراد آبادی، صفحہ نمبر ۸۲۰
اس آیت کے ترجمہ، تفسیر اور شان نزول کے تعلق سے کچھ کہنے سے پہلے ایک ضروری بات بتانا ہے کہ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا طرز عمل کیا رہا ہے۔

ادب کی وجہ سے آواز کو پست کرنے والوں کو قرآن میں سراہنا

اس آیت کے نازل ہونے کے بعد حضرت صدیق اکبر اور دیگر جلیل القدر صحابہ کرام کا طرز عمل یہ ہو گیا تھا کہ وہ حضور اقدس ﷺ کے سامنے بلند آواز سے تو کیا؟ درمیانی اور متوسط آواز میں بھی بات کرتے ہوئے ڈرتے تھے، انھیں ہر وقت خوف رہتا تھا کہ کہیں غلطی سے بھی ہماری آواز اونچی نہ ہو جائے اور ہماری تمام نیکیاں برباد نہ ہو جائیں، اس لیے انھوں نے پست آواز میں بات کرنا اپنا لیا اور اتنی پست آواز میں بات چیت کرتے تھے کہ وہ کیا کہنا چاہتے تھے وہ سمجھنا بھی مشکل ہوتا تھا، بلکہ خود حضور اقدس ﷺ ان سے فرماتے کہ کیا کہنا چاہتے ہو؟ لیکن واہ رے ادب! پھر بھی صحابہ کرام کو ہمت نہیں ہوتی تھی کہ وہ اپنی آواز بلند کر کے عرض کریں، انھیں ہر پل ڈر لگتا تھا کہ انجانے میں بھی کہیں ہم سے بے ادبی نہ ہو جائے اور ہمارے عمل اکارت یعنی برباد نہ ہو جائیں۔

اپنے محبوب اکرم کا ادب رکھنے کی صحابہ کرام کی یہ ادا اور طریقہ رب تبارک و تعالیٰ کو اتنا پسند آیا کہ صحابہ کرام کے اس طرز ادب کو قرآن مجید میں اس طرح سراہا گیا کہ:

آیت شریف:

”إِنَّ الَّذِينَ يَغُضُّونَ أَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ امْتَحَنَ اللَّهُ قُلُوبَهُمْ لِلتَّقْوَىٰ لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَأَجْرٌ عَظِيمٌ“ (پارہ، ۲۶، سورۃ الحجرات، آیت نمبر: ۳)

ترجمہ:

”بے شک وہ جو اپنی آوازیں پست کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ کے پاس، وہ ہیں جن کا دل اللہ نے پرہیزگاری کے لیے پرکھ لیا ہے، ان کے لیے بخشش اور بڑا ثواب ہے۔“ (کنز الایمان)

شان نزول:

آیت ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ﴾ کے نازل ہونے کے بعد حضرت ابو بکر و عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور بعض دیگر صحابہ نے بہت احتیاط لازم کر لی اور خدمت اقدس میں بہت ہی پست آواز سے عرض معروض کرتے، ان حضرات کے حق میں یہ آیت نازل ہوئی ہے۔ (حوالہ: تفسیر خزائن العرفان، صفحہ نمبر: ۷۲۱)

قارئین کرام غور فرمائیں کہ ان دونوں آیتوں میں رب تبارک و تعالیٰ نے اپنے محبوب اعظم ﷺ کی تعظیم اور ادب کی اتنی اہمیت بیان فرمائی ہے پہلی آیت یعنی سورہ حجرات کی آیت نمبر ۲ میں ایمان والوں کو صاف حکم دیا کہ:

■ میرے محبوب کی آواز سے اپنی آواز اونچی مت کرو۔

■ آپس میں ایک دوسرے کو پکارتے ہو، اس طرح میرے محبوب کو مت پکارو۔

کیوں.....؟؟؟

اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کے محبوب ﷺ تمہاری ہماری طرح عام بشر نہیں بلکہ نوری بشر ہیں، ان کے جیسا نہ کوئی ہو، نہ کوئی ہے اور نہ کوئی ہوگا۔ بلکہ اللہ نے ان جیسا نہ کسی کو پیدا فرمایا ہے، نہ پیدا فرمائے گا۔

صرف اتنا ہی نہیں بلکہ تعظیم، توقیر، تکریم، تعریف، توصیف، ادب، احترام اور احتشام کا لحاظ رکھنا ہر ایمان والے کے لیے لازمی۔ ان کی شان میں ادنیٰ سی بے ادبی اور گستاخی کرنے سے ایمان برباد ہو جاتا ہے۔ نیکیاں اکارت ہو جاتی ہیں۔

تہذیب اور اخلاق کا تقاضا یہ ہے کہ کسی بھی بزرگ شخصیت کے سامنے بلند آواز سے بات چیت نہیں کی جاتی اور نہ ہی اسے نام لے کر عام انسان کی طرح مخاطب کیا جاتا ہے۔ ایسا کرنا اس بزرگ کی شان میں بے ادبی ہے اور اللہ تعالیٰ کے محبوب اعظم ﷺ کی شان تمام مخلوق سے اونچی اور بڑی ہے، تو ان کا ادب بھی سب سے زیادہ ہے۔ محبوب کی شان عالی کے ادب میں کمی اور کوتاہی کرنے پر اللہ تعالیٰ نے وعید (دھمکی) بھی سنادی ہے کہ:

■ کہیں تمہارے عمل اکارت ہو جائیں اور تمہیں خبر نہ ہو۔

یہ وعید ان لوگوں کے لیے ہے، جو محبوب کی تعظیم نہیں کرتے، تعظیم کے آداب نہیں بجالاتے اور بے ادبی سے پیش آتے ہیں یعنی بے ادبی کرتے ہیں۔

لیکن ...

جو با ادب لوگ محبوب کی تعظیم کا حق بجالاتے ہیں اور ہر وقت یہی کوشش کرتے ہیں کہ محبوب خدا ﷺ کی تعظیم اور ادب میں کسی قسم کی کوئی کوتاہی نہ ہو بلکہ وہ ہر وقت اس بات کی فکر اور ڈر میں رہتے ہیں کہ کہیں ہم سے انجانے میں بھی ادنیٰ سی بے ادبی نہ ہو جائے۔ دوسری آیت یعنی سورہ حجرات کی آیت نمبر ۳ میں ایسے ادب کرنے والوں کو بشارت اور خوش خبری سناتے ہوئے ارشاد ہوا کہ:

- ان کے دلوں کو اللہ نے پرہیزگاری کے لیے پرکھ لیے ہیں۔
 - ان کے لیے مغفرت (بخشش) اور اجر عظیم (بڑا ثواب) ہے۔
- کیوں ؟ ؟ ؟

اس لیے کہ انھوں نے محبوب اکرم ﷺ کی تعظیم کی وجہ سے ادب کیا، ان کا ادب کرنے والا کبھی بھی محروم اور ناراض نہیں ہوتا بلکہ اللہ تعالیٰ کی رحمتوں، نعمتوں، برکتوں، تحفوں، انعاموں اور خوش خبریوں کی سوغاتوں کا حق دار ہوتا ہے اور نوازا جاتا ہے۔

حضور اقدس ﷺ کے دربار عالی کا ادب اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام کو تعلیم فرمایا اور رب تعالیٰ کے سچے فرماں بردار صحابہ کرام نے اپنے خالق حقیقی جل جلالہ کے فرمان عالی کے سامنے سر تسلیم خم کرتے ہوئے محبوب اکرم کے سامنے اونچی آواز سے بولنا تو درکنار عام روش کی آواز سے بولنا بھی ترک کر دیا اور بہت ہی آہستہ اور پست آواز میں بولنا اپنایا۔ ان کا یہ کام صرف اور صرف حضور اقدس ﷺ کی تعظیم اور ادب کی وجہ سے تھا، ان کا یہ کام اللہ تعالیٰ کو اتنا پسند آیا کہ اپنے مقدس کلام ”قرآن مجید“ میں ان ادب کرنے والوں کو سراہتے اور قدر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ:

■ ”ان کے دلوں کو تقویٰ (پرہیزگاری) کے لیے ہم نے پرکھ لیا۔“

صرف قوی قدر اور سراہنے پر ہی بات ختم نہیں فرمائی بلکہ فرماں برداروں کے ادب اور تعظیم بجا لانے سے خوش ہو کر، اپنی شان کریبی سے انھیں نوازتے ہوئے مژدہ (خوشخبری) سناتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ:

■ ”ان کے لیے مغفرت اور اجر عظیم ہے۔“

سبحان اللہ !!!

کتنا بڑا انعام دیا جا رہا ہے۔ ایک ساتھ تین تین نعمتوں اور رحمتوں سے نوازا جا رہا ہے۔

پہلی: تقویٰ کے لیے دل کو پرکھ لینا، جس کا مطلب یہ ہوا کہ اب یہ صرف تقویٰ یعنی پرہیزگاری ہی اختیار کرے گا۔ یعنی اب یہ صرف نیکی اور بھلائی کے ہی کام کرے گا۔ گناہ اور برائی سے دور رہے گا۔ اب اس کا شمار متقیوں میں ہوگا۔ یعنی اللہ کا محبوب بندہ ہو جائے گا۔ کیوں کہ قرآن مجید میں ہے کہ:

آیت شریف:

”أَنَّ اللَّهَ مَعَ الْمُتَّقِينَ“ (پارہ ۲، البقرہ، آیت: ۱۹۳) (پارہ ۱۱، التوبہ، آیت: ۱۲۳)

ترجمہ: ”جان رکھو کہ اللہ پرہیزگاروں کے ساتھ ہے۔“ (کنز الایمان)

آیت شریف:

”إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِينَ“ (پارہ ۳، آل عمران، آیت: ۷۶) (پارہ ۱۰، التوبہ، آیت: ۴ اور ۷)

ترجمہ: بے شک اللہ پرہیزگاروں کو دوست رکھتا ہے۔ (کنز الایمان)

ایسی تو کئی آیتیں پیش کی جاسکتی ہیں۔ مختصر یہ کہ متقی لوگوں کی قرآن میں کئی جگہ تعریف کی گئی اور متقیوں کو دنیا اور آخرت کی نعمتوں کے وعدے دیے گئے ہیں۔

حاصل کلام یہ کہ حضور اقدس ﷺ کی تعظیم اور ادب کرنے کی وجہ سے مومن کو ”متقی“ کا مرتبہ حاصل ہوتا ہے۔

دوسری: اس کے لیے مغفرت کی خوش خبری دینا جس کا مطلب یہ ہوا کہ اس کے تمام گناہ معاف کر دیے گئے اور دوزخ سے اس کا چھٹکارا ہو گیا۔ اور جب دوزخ سے چھٹکارا ہو گیا تو اب جنت میں داخلہ یقینی ہو گیا۔ مغفرت ایک ایسی بخشش اور نعمت ہے کہ جس کو حاصل کرنے کے لیے ایک مومن بندہ زندگی کے آخری سانس تک فکر مند رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی عبادت، شریعت کی پابندی، نیکیوں کا ارتکاب، گناہوں سے اجتناب، اور دیگر محاسن کا صرف ایک ہی مقصد ہوتا

ہے اور وہ ہے مغفرت۔ ایک مومن اپنی ہر نماز میں، ہر دعا میں، اپنے رب سے مغفرت کی التجا کرتا ہے۔ زندگی بھر وہ مغفرت کی ہی خواہش میں اپنے رب سے گڑگڑاتا ہے اور دعا مانگتا ہے۔ ارے زندگی بھر تو وہ اپنے لیے مغفرت کی دعا مانگتا ہے، بلکہ اس کے انتقال کے بعد اس کی اولاد، اس کے رشتہ دار، شاگرد، مرید، محب، دوست، وغیرہ بھی اس کی مغفرت کی دعا مانگتے ہیں اور مغفرت میں آسانی کے لیے کار خیر سے ایصالِ ثواب کرتے ہیں۔

مختصر یہ کہ جس کی مغفرت ہوگی اس کی آخرت سنورگی۔ زندگی کا مقصد حاصل ہو گیا، زندگی بھر کی عبادت اور نیکیوں کا اچھا پھل مل گیا، جس کی مغفرت ہوگی، سمجھو کہ وہ امتحان میں کامیاب ہو گیا، لیکن ایسی انمول عنایت اور انعام اللہ تعالیٰ اپنے محبوب ﷺ کی تعظیم اور ادب کے صدقہ میں عطا فرما رہا ہے۔

تیسری: اس کے لیے اجرِ عظیم یعنی بڑا ثواب ہے۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ یہ اجر یعنی ثواب یعنی پھل یعنی بدلہ یعنی اجرت یعنی مزدوری کوئی معمولی نہیں، بلکہ عظیم یعنی بڑا، مہان، نہایت عمدہ، نادر ہے، یعنی یہ معمولی بدلہ نہیں، تھوڑا سا دے دیا اور خوش کر دیا نہیں بلکہ اتنا عطا فرمایا جائے گا کہ بندے کے وہم اور گمان میں بھی نہیں ہوگا۔ جب رب عظیم کی طرف سے اجر عظیم عطا فرمایا جائے گا، تو وہ اتنا زیادہ ہوگا کہ وہ بے حساب ہوگا، اپنی خواہش کے تصور سے بھی سوا یعنی زیادہ ہوگا۔ ایسا اجر عظیم ہوگا کہ انسان اس کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتا۔ کیوں کہ اجر عظیم اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔ قرآن مجید میں کئی جگہ ارشاد ہے کہ:

”وَ أَنَّ اللّٰهَ عِنْدَهُٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ“ (پارہ ۹، الانفال، آیت ۲۸)

”اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهُٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ“ (پارہ ۱۰، التوبہ، آیت ۲۲)

”وَيُوْتِ مِنْ لَّدُنْهُٓ اَجْرًا عَظِيْمًا“ (پارہ ۵، النساء، آیت ۴۰)

ترجمہ:

ان تمام آیتوں کا تقریباً ایک ہی مطلب ہے کہ ”بے شک اللہ کے پاس بڑا ثواب ہے“ (کنز الایمان)

اجر عظیم جو اللہ کے پاس ہے، اس کی مقدار، قسم، خوبی، کثرت، نوع، لطافت، بہتات، وغیرہ کا کوئی اندازہ ہی نہیں کر سکتا۔ صرف اتنا ہی کہہ سکتے ہیں کہ جس کو اللہ تعالیٰ کی جانب سے ”اجر عظیم“ ملے گا اس کی قسمت ہی چمک جائے گی۔ قسمت چمکنے والی یہ عظیم نعمت نبی کریم ﷺ کی تعظیم اور ادب کرنے کے طفیل میں مل رہی ہے۔

نتیجہ پر غور کریں

یہاں تک کی گفتگو سے یہ نتیجہ حاصل ہوا کہ سورہ حجرات کی آیت نمبر ۲ اور ۳ سے دو باتیں سامنے آئیں:

- (۱) نبی کا ادب اور تعظیم نہ کرنے والے کا عمل برباد ہو جانے کی وعید یعنی دھمکی دی گئی۔
- (۲) نبی کا ادب اور تعظیم بجالانے والے کو سراہنا اور اسے مغفرت اور اجر عظیم کا مژدہ (خوش خبری) سنانا۔ ان دونوں یعنی وعید (دھمکی) اور مژدہ (خوش خبری) کی وجہ صرف ایک ہی ہے۔ یعنی تعظیم نبی صرف تعظیم ہی وہ سبب ہے کہ جس کی وجہ سے وعید اور مژدہ کی نوبت سامنے آئی ہے۔ یعنی تعظیم نہ کرنے والے کو وعید سنانا اور تعظیم کرنے والے کو مژدہ سنانا۔ دونوں صورتوں میں اصل وجہ صرف تعظیم ہی ہے۔ اور تعظیم بھی کس کی؟ اس محبوب خدا کی جس کی تعظیم کرنے کا صاف صاف حکم قرآن مجید کی سورہ فتح کی آیت نمبر ۱۸ اور ۹ میں اس طرح دیا گیا ہے کہ:

”رسول کی تعظیم اور توقیر کرو“

علاوہ ازیں محبوب خدا ﷺ کی تعظیم کرنے والوں کے لیے قرآن مجید کی سورہ اعراف کی آیت نمبر ۱۸۵ میں یہاں تک کہا گیا کہ:

”جو رسول کی تعظیم کریں... وہی با مراد ہوئے“

لیکن افسوس کہ وہابی، دیوبندی، تبلیغی جماعت کے پیشوا اور امام مولوی اسماعیل دہلوی نے اپنی رسوائے زمانہ کتاب ”تقویۃ الایمان“ میں قرآن مجید کی آیت کا غلط ترجمہ اور من گڑھت تاویل کر کے یہاں تک لکھ دیا کہ نبی کی تعظیم بڑے بھائی جتنی کرو۔ (معاذ اللہ)

وہابیوں کا عقیدہ

نبی کی تعظیم بڑے بھائی کی طرح کرو

ہاں، یہ سچ ہے کہ وہابی دیوبندی عقیدہ کے لوگ نبی کی تعظیم بڑے بھائی جیسی ہی کرتے ہیں۔ ایک حوالہ پیش خدمت ہے:

”آدمی آپس میں سب بھائی ہیں۔ جو بڑا بزرگ ہو، وہ بڑا بھائی ہے۔ اس کی بڑے بھائی کی طرح تعظیم کیجئے اور سب کا مالک اللہ ہے۔ بندگی اس کی کیجئے۔ معلوم ہوا کہ اولیاء و انبیاء و امام زادہ، پیر و شہید یعنی جتنے اللہ کے مقرب بندے ہیں، وہ سب انسان ہی ہیں اور عاجز بندے ہیں اور ہمارے بھائی ہیں مگر اللہ نے ان کو بڑائی دی، وہ بڑے بھائی ہوئے۔“

حوالہ: تقویۃ الایمان، از: مولوی اسماعیل دہلوی، ناشر: الدرار السلفیہ، بمبئی، صفحہ: ۹۹

قارئین کرام سے التماس ہے کہ ”تقویۃ الایمان“ کی مندرجہ بالا عبارت کو نہایت غور و فکر سے دیکھیں گے، تو حسب ذیل توہین آمیز باتیں سامنے آئیں گی۔

- جو بڑا بزرگ ہے وہ بڑا بھائی ہے۔
- اس کی تعظیم بڑے بھائی کی طرح کرنی چاہیے۔
- انبیائے کرام اور دیگر مقرب بندے عاجز (لاچار) ہیں۔
- انبیاء، اولیاء، امام، شہداء ہمارے بڑے بھائی کی طرح ہیں۔
- انبیاء، اولیاء، ائمہ اور شہداء کی تعظیم بڑے بھائی کی طرح کرنی چاہیے۔

انبیاء یعنی تمام نبی اور تمام نبیوں میں حضور اقدس ﷺ بھی شامل ہیں۔ مولوی اسماعیل دہلوی کے گستاخانہ تیور دیکھو، وہ تمام انبیائے کرام کو عاجز بندے یعنی مجبور اور لاچار بندے کہنے کے ساتھ ساتھ بڑے بھائی کہہ کر یہ کہتا ہے کہ ان کی تعظیم بڑے بھائی کی طرح کرو۔

بڑا بھائی رتبہ میں باپ سے کم ہی ہوتا ہے

وہابیوں کا امام نبی کی تعظیم بڑے بھائی جیسی کرنے کا کہہ کر یہ کہہ رہا ہے کہ نبی کی تعظیم باپ کی تعظیم سے بھی کم کرو، کیوں کہ بڑا بھائی چاہے کسی دینی یا دنیوی بڑے عہدے پر ہو، کتنا ہی بڑا دولت مند ہو، باپ کے رتبہ کو نہیں پہنچ سکتا۔ وہ لاکھ دینی اور دنیوی عزت حاصل کر لے، مگر ہرگز باپ کے رتبہ تک نہیں پہنچ سکتا، مثال کے طور پر زید کا بڑا بھائی بڑا مال دار ہے یا عالم یا کلکٹر ہے، اس کی برادری اور سماج میں بڑی عزت ہے لیکن پھر بھی زید کے لیے اس کا بڑا بھائی اپنے باپ کے مرتبہ تک نہیں پہنچ سکتا، زید جتنی اپنے باپ کی تعظیم کرے گا اتنی تعظیم اپنے بڑے بھائی کی نہیں کرے گا بلکہ باپ کی تعظیم سے بڑے بھائی کی تعظیم کم ہی کرے گا۔ تو جب وہابیوں کا امام نبی کی تعظیم صرف بڑے بھائی کی تعظیم جیسی کرنے کا کہہ رہا ہے اس کا مطلب یہی ہوا کہ نبی کی تعظیم اپنے باپ کی تعظیم سے بھی کم کرو، ارے نبی کی تعظیم پر تو اپنے ماں باپ

بھی قربان کرنے کا جذبہ ہر مومن میں ہونا چاہئے۔ اس لیے تو صحابہ کرام جب بھی بارگاہ رسالت ﷺ میں کچھ عرض کرتے تو پہلے یہی کہتے تھے:

”فَدَاكَ أَبِي وَ أُمِّي“ (حوالہ: بخاری، مسلم، ترمذی، نسائی، وغیرہ کتب احادیث)

”فداک ابی وامی“ یعنی یا رسول اللہ آپ پر ہمارے ماں باپ قربان۔ صحابہ کرام تو نبی پاک پر اپنے ماں باپ قربان کریں اور دور حاضر کے منافق یہ کہے کہ نبی کی تعظیم صرف بڑے بھائی کی طرح کرو۔ نبی کو بڑا بھائی کہنے کے لیے یہ طریقہ اپنایا کہ عبارت کی ابتدا میں لکھا آدمی آپس میں سب بھائی ہیں۔ یعنی انسانیت کا رشتہ نکالا، آدمی کی آڑ لیتے ہوئے سب کے سب انسان حضرت آدم کی اولاد ہونے کی وجہ سے آدمی کہلائے اور ہر آدمی حضرت آدم کے فرزند ہونے کے ناطے آپس میں بھائی بھائی ہوئے، نبی کے چھوٹے بھائی بننے کی آرزو میں آدمیت کا رشتہ ڈھونڈ نکالا، پھر مجبور ہو کر نبی کی بزرگی کا اعتراف کرنا پڑا اور صرف بزرگی کی وجہ سے بڑا بھائی ماننا پڑا اور لکھا کہ جو بڑا بزرگ ہو وہ بڑا بھائی ہے، واہ میاں مٹھو! واہ چھوٹے بھائی! حقیقت نسل کی منطق چھانٹ کر برادر بن بیٹھے، لیکن نبی سے برادرانہ رشتہ ناطہ جوڑنے والوں کو شاید یہ نہیں معلوم کہ نبی کے ساتھ ایک مومن کا رشتہ ”ایمان کا رشتہ“ ہوتا ہے اور ایمان کا جو رشتہ ہوتا ہے اس میں برابری کی ملاوٹ نہیں ہوتی۔ بلکہ محبت اور تعظیم کا ہی تعلق ہوتا ہے۔ کیوں کہ قرآن مجید نے ایمان والوں کو نبی کے ساتھ محبت اور تعظیم کا ہی رشتہ رکھنے کی تعلیم دی ہے۔ بلکہ حکم دیا ہے۔

سب آدمی مرد آپس میں بھائی ہوئے تو عورتیں بہن ہوئیں یا نہیں؟

مولوی اسماعیل دہلوی نے اپنی کتاب ”تقویۃ الایمان“ میں انبیاء اور اولیاء کو اپنا بڑا بھائی کہنے کی جو گستاخی کی ہے، اس کا دفاع کرتے ہوئے دور حاضر کے منافقین یہ کہتے ہیں کہ اس میں کوئی گستاخی یا توہین نہیں بلکہ ایک حقیقت بتائی ہے کہ سب انسان حضرت آدم کی اولاد ہونے کی وجہ سے یعنی ایک باپ کی اولاد ہونے کی وجہ سے آدمیت کے رشتہ میں بھائی بھائی ہیں۔

اس طرح کی بے تکلی تاویل کر کے اسماعیل دہلوی کا دفاع کرنے کے ساتھ لوگوں کو بھی دھوکہ دیتے ہیں، ایسے جاہل منافق سے پوچھو کہ آدمیت کے رشتہ سے بھائی بھائی کون ہے؟ تو یہی جواب ملا کہ مرد، ان سے کہو کہ تمام مرد جب آدمیت کے رشتہ سے بھائی ہیں تو عورتیں کیا ہوئیں؟ جب مرد بھائی بھائی ہیں تو عورتیں بہن ہوں گی، یعنی تمام مرد اور عورت آدمیت کے رشتہ سے بھائی بہن ہوئے۔ جب تم نبی کو آدمیت کے رشتہ سے بڑا بھائی کہتے ہو تو نبی کی ازواج یعنی بیویوں کو آدمیت کے رشتہ سے بہن اور نبی کی بیوی ہونے کی بزرگی کی وجہ سے بڑی بہن ہی تو کہو گے۔ یعنی جب تمہارے نظریہ سے نبی بڑا بھائی ہے تو نبی کی زوجہ (بیوی) بڑی بہن ہوئی۔ اب اللہ کے مقدس کلام قرآن سے پوچھو کہ نبی کی بیوی کو بڑی بہن کہہ سکتے ہیں؟

اب قرآن کا جواب بلکہ حکم سنو۔

آیت شریف:

”الْنَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَ اَزْوَاجُهُ اُمَّهَاتُهُمْ“

(پارہ: ۲۱، سورۃ الاحزاب، آیت نمبر: ۶)

ترجمہ:

”یہ نبی مسلمانوں کا ان کی جان سے زیادہ مالک اور اس کی بیویاں ان کی مائیں ہیں۔“ (کنز الایمان) دیکھو، نبی کی ازواج کو قرآن میں مسلمانوں کی مائیں کہا گیا ہے۔ اب کیا جواب دیں گے، وہ منافقین کہ جو نبی کو بڑا بھائی کہتے ہیں، جس نبی کو بڑا بھائی کہتے ہیں اس مقدس نبی کی بیوی کو قرآن ماں کہہ رہا ہے۔

اب کہاں گیا آدمیت کا رشتہ؟ آدمیت کے رشتہ سے تو تمہارے نظریہ سے بہن یا بزرگی کی وجہ سے نبی کی بیوی ”بڑی بہن“ ہونی چاہئے۔ لیکن قرآن میں ان کو ماں کہا گیا ہے۔ یہ مرتبہ ان کو صرف نبی

کی نسبت سے ہی ملا ہے۔ نبی سے بیوی کا رشتہ ہونے سے پہلے وہ بھی عام عورت کی طرح تھیں، لیکن نبی سے زوجیت کے پاک رشتہ کے طفیل اب وہ کیا ہو گئی؟

آیت شریف:

”يُنْسَاءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَأَحَدٍ مِّنَ النِّسَاءِ“ (پارہ: ۲۲، سورۃ الاحزاب، آیت: ۳۲)

ترجمہ:

”اے نبی کی بیویوں تم اور عورتوں کی طرح نہیں ہو۔“ (کنز الایمان)

صرف ایک ہی وجہ ہے اور وہ ہے نبی کی مقدس بیوی ہونا۔ اب وہ عام عورت کی طرح نہیں۔ بلکہ تفسیر میں اس آیت کے ضمن میں لکھا ہے کہ:

”تمہارا مرتبہ سب سے زیادہ ہے اور تمہارا اجر سب سے بڑھ کر، جہاں کی عورتوں میں کوئی تمہاری ہمسر نہیں۔“

حوالہ:

تفسیر خزائن العرفان، صفحہ نمبر: ۶۷۳

حل لغت:

ہمسر: برابر کا، ہم مرتبہ، ہم چشم۔ (حوالہ: فیروز اللغات، صفحہ نمبر: ۱۴۴)

نبی کو بڑا بھائی کہہ کر نبی کے ساتھ برابری کا دعویٰ کرنے والے دیکھیں کہ نبی کا وہ بلند مرتبہ ہے کہ نبی سے شادی کرنے والی عورت بھی اتنے بلند مرتبہ کو پہنچ جاتی ہے کہ اب وہ دیگر عورتوں کی طرح نہیں بلکہ قرآن مجید کے ارشاد کے مطابق:

”اس کا مرتبہ سب سے زیادہ ہے اور دنیا کی کوئی بھی عورت اس کے برابر نہیں۔“

افسوس کہ جس ذات مقدس، نبی اکرم ﷺ کے طفیل عام عورت کو وہ مرتبہ حاصل ہو گیا کہ اب وہ مسلمانوں کی مقدس ماں بن گئی، اسی نبی کو منافقین لوگ صرف آدمیت کے رشتہ کے بہانے بڑا بھائی کہنے کی گستاخی اور بے ادبی کرتے ہیں۔

نبی کو بڑا بھائی کہنے والے منافق اپنے مولویوں کو انسانیت سے بلند اور بزرگی والا فرشتہ کہتے ہیں

جب نبی، ولی یا دیگر ذی احترام شخصیتوں کی تعظیم کا معاملہ درپیش ہوتا ہے، تو منافقین زمانہ اپنے پیشوا مولوی اسماعیل دہلوی کی کتاب ”تقویۃ الایمان“ کی گمراہ کن تعلیم پر عمل کرتے ہوئے چیختے ہیں کہ:

”سب انسان آپس میں بھائی ہیں، نبی، ولی، شہید، وغیرہ بھی انسان اور لاچار بندے ہیں، ہمارے بڑے بھائی ہیں، ان کی تعظیم بڑے بھائی کی طرح کرنی چاہیے۔“

اپنے اس باطل اور جھوٹے دعویٰ کو مناسب ثابت کرنے کے لیے قرآن اور حدیث کے غلط ترجمے اور من چاہے مطلب بیان کر کے انبیاء اور اولیاء کی شان گھٹاتے ہیں اور توحید کی آڑ میں اللہ کے محبوب اور مقبول بندوں کی شان میں گستاخی اور بے ادبی کرتے ہیں، ان منافقوں نے توحید کا مطلب ہی یہی بنا لیا ہے کہ انبیاء اور اولیاء کی شان میں گستاخی کرنا۔

کسی ایمان والے نے نبی یا ولی کی تعظیم اور عظمت کی بات کہی، فوراً منافق لال پیلے ہو کر شرک کے خطرے کی گھنٹی بجانے لگتے ہیں، اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی تعظیم کرنا شرک ہے اور اللہ ہی کی تعظیم کرنی چاہیے۔ یہ نعرہ لگا کر توحید کا پرچم بلند کرتے ہیں اور اپنے کو سچا موحد یعنی صحیح معنوں میں توحید کا ماننے والا بتاتے ہیں۔

ان کا توحید کا دعویٰ صرف انبیاء اور اولیاء کی تعظیم کی مخالفت تک ہی محدود ہوتا ہے، مگر جب ان کے اپنے مولوی اور پیشوا کا معاملہ ہوتا ہے تو شرک کے تمام قانون اور اصول بھول جاتے ہیں، توحید کے پرچم سمیٹ لیتے ہیں، بلکہ توحید کے پرچم کو چکنا چور کر دیتے ہیں۔

آئیے! آپ کی ضیافت طبع کے لیے وہابی دیوبندی تبلیغی جماعت کی دو مستند کتابوں سے ایک حوالہ پیش ہے:

”مولوی نظام الدین صاحب مغربی حیدرآبادی مرحوم نے جو مولانا رفیع الدین صاحب سے بیعت تھے اور صالحین میں سے تھے، احقر سے فرمایا جب کہ احقر حیدرآباد گیا ہوا تھا کہ مولانا رفیع الدین صاحب فرماتے تھے کہ میں پچیس (۲۵) برس حضرت مولانا نانوتوی کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں اور کبھی بلا وضو نہیں گیا۔ میں نے انسانیت سے بالا درجہ ان کا دیکھا ہے۔ وہ شخص ایک فرشتہ مقرب تھا۔ جو انسانوں میں ظاہر کیا گیا۔“

حوالہ: (۱) حکایات اولیاء، از: مولوی اشرف علی تھانوی،

ناشر: زکریا بک ڈپو، دیوبند، حکایت نمبر ۲۴۲، ص ۲۳۱

(۲) سوانح قاسمی، از: مولوی مناظر حسن گیلانی،

ناشر: دارالعلوم دیوبند (یوپی) جلد ۱، ص ۱۳۰

حل لغت:

احقر: زیادہ حقیر، (انکسار کے طور پر خود اپنے لیے کہنا) (حوالہ: فیروز اللغات، صفحہ ۷۷)

نوٹ: اس عبارت میں احقر سے مراد مولوی اشرف علی تھانوی ہے۔ تھانوی صاحب نے تواضع کے طور پر اپنے لیے احقر کا لفظ استعمال کیا ہے۔

قارئین کرام سے التماس ہے کہ مندرجہ بالا روایت کا بغور مطالعہ فرمائیں اور اس عبارت کے ضمن میں مندرجہ ذیل نقطے پر توجہ فرمائیں:

(۱) اس حکایت کو وہابی دیوبندی تبلیغی جماعت کے پیشوا کہ جن کو وہ حکیم الامت کے لقب سے یاد کرتے ہیں یعنی مولوی اشرف علی تھانوی نے روایت کیا ہے، لہذا کوئی بھی وہابی تبلیغی شخص اس

کا انکار نہیں کر سکتا۔

(۲) جن مولوی رفیع الدین صاحب کے تعلق سے یہ حکایت بیان کی گئی ہے، وہ مولوی رفیع الدین صاحب دیوبندی کے لیے خود مولوی قاسم نانوتوی صاحب نے یہاں تک کہا کہ وہ باطنی مدارج میں مولوی رشید احمد گنگوہی کے برابر تھے۔ مولوی رفیع الدین صاحب کا شمار وہابی دیوبندی جماعت کے اکابر میں ہوتا ہے، وہ طویل عرصہ تک دارالعلوم دیوبند کے مہتمم رہے ہیں اور مولوی قاسم نانوتوی کے خاص ساتھی اور معتمد تھے۔

(۳) انھیں مولوی رفیع الدین کا واقعہ ان کے مرید خاص مولوی نظام الدین صاحب حیدرآبادی نے تھانوی صاحب سے حیدرآباد میں بیان کیا ہے۔ تب تھانوی صاحب حیدرآباد گئے ہوئے تھے، انھیں مولوی نظام الدین صاحب حیدرآبادی کے لیے اسی حکایت میں مولوی اشرف علی تھانوی نے کہا ہے کہ ”صالحین میں سے تھے“، یعنی متقی اور پرہیزگار تھے۔ لہذا ان کا بیان کیا ہوا واقعہ سچائی پر مبنی اور قابل اعتماد ہے۔ اس لیے تو تھانوی صاحب نے اس واقعہ کو حکایت اولیاء کتاب میں بیان کیا اور تھانوی صاحب کے حوالہ سے مولوی قاسم نانوتوی کے سوانح نگار مولوی مناظر حسن گیلانی نے اپنی کتاب سوانح قاسمی میں نقل کیا ہے، جس کو دارالعلوم دیوبند نے شائع کیا ہے۔

(۴) مولوی اشرف علی تھانوی صاحب روایت کرتے ہیں کہ دارالعلوم دیوبند کے مہتمم مولوی رفیع الدین صاحب نے فرمایا کہ:

”میں پچیس برس حضرت مولانا نانوتوی کی خدمت میں حاضر ہوا اور کبھی بلا وضو نہیں گیا“

واہ کیسی تعظیم ہے، کیسا ادب ہے، کیسی عقیدت اور محبت ہے۔ اب نبی کی تعظیم کا معاملہ نہیں کہ شرک کے فتوے کی مشن گن چلائی جائے، توحید الہی کا پرچم بلند کیا جائے، اب تو اپنی جمات

کے پیشوا کا معاملہ ہے۔ دارالعلوم دیوبند کے بانی مولوی قاسم نانوتوی صاحب کی تعظیم کا معاملہ ہے۔ نانوتوی صاحب کسی عام آدمی اور بڑے بھائی کی طرح نہیں، ان کی تو جتنی بھی تعظیم کی جائے کم ہے۔ مولوی رفیع الدین صاحب کے دل میں نانوتوی صاحب کی تعظیم کا سمندر ٹھاٹھیں مار رہا ہے۔ ان کی خدمت میں حاضر ہونے کے لیے با وضو ہونا ضروری ہے۔ یہی نانوتوی صاحب کی تعظیم کا تقاضا ہے۔ ان کی خدمت میں بغیر وضو جانا بے ادبی ہے۔ خلاف تعظیم ہے۔ اسی لیے تو ہمیشہ با وضو ہی نانوتوی صاحب کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے۔

صرف ایک دو مرتبہ کا اتفاق نہیں بلکہ پورے پچیس سال تک یعنی تین سو مہینے تک یعنی نو ہزار دنوں تک کی لمبی مدت میں ایک مرتبہ بھی مولوی رفیع الدین صاحب بلا وضو خدمت نانوتوی میں نہیں گئے، بلکہ جب بھی گئے با وضو ہی گئے، اسی لیے تو کہا کہ کبھی بھی بلا وضو نہیں گیا۔

کیا نانوتوی صاحب دارالعلوم دیوبند کے مہتمم مولوی رفیع الدین صاحب کے لیے ”نماز“ تھے؟ کہ حالت حدیث میں بحیثیت محدث (بے وضو) جانا بے ادبی ہے۔

(۵) بات صرف با وضو خدمت نانوتوی میں حاضر ہونے پر نہیں رکتی، بلکہ اب تو تعظیم نانوتوی کے پل باندھے جا رہے ہیں، نبی کو صرف عام انسان اور بڑا بھائی کہنے والے منافق اپنے پیشوا کی تعریف اور تعظیم میں یہاں تک کہتے ہوئے ذرا بھر بھی نہیں جھکتے کہ ”میں نے انسانیت سے بالا درجہ ان کا دیکھا ہے۔“ یعنی نانوتوی صاحب انسانیت کے درجے سے بھی بالا یعنی بلند تھے، جب نبی کا معاملہ ہوتا ہے تب ”آدمی آپس میں سب بھائی ہیں“، کانعرہ بلند کر کے آدمیت کا رشتہ جتا کر نبی کو عام انسان اور لاچار بندہ کہہ کر یہ کہتے ہیں کہ ان کی تعظیم بڑے بھائی کی طرح کرنی چاہیے۔ اور نبی کو صرف بڑے بھائی جتنی ہی اہمیت دیتے ہیں، لیکن جب اپنے پیشوا کا معاملہ ہوتا ہے تو اپنے پیشوا کی تعظیم کے ایسے جا پ چپتے ہیں کہ توحید کے اصول

اور شرک کے فتوے بالائے طاق رکھ دیتے ہیں اور اپنی جماعت کے کٹ ملوں کی محبت اور عقیدت میں ایسے اندھے ہو جاتے ہیں کہ ان کی عقل اور دانش کا طوطا اڑ جاتا ہے اور انھیں یہ بھی ہوش نہیں رہتا کہ ہم کیا کہہ رہے ہیں۔

(۶) دیکھو! نبی کو بڑا بھائی کہنے والے اپنے پیشوا کے لیے یہاں تک کہتے ہیں کہ ”میں نے انسانیت سے بالا درجہ ان کا دیکھا ہے۔“ یعنی مولوی قاسم نانوتوی کا مرتبہ اور درجہ انسانیت سے اونچا اور بلند ہے۔ اور کیسے خطرناک انداز میں مولوی صاحب کی عظمت بیان کی جا رہی ہے۔ بلکہ نانوتوی صاحب کے مقابلہ میں انبیائے کرام کی شان گھٹائی جا رہی ہے۔ نانوتوی صاحب کو انسانیت کے درجہ سے بالا یعنی بلند مرتبہ والا بتایا جا رہا ہے۔ نانوتوی صاحب کو بڑا بھائی نہیں کہا جا رہا ہے۔ کیوں کہ بڑا بھائی تو وہی ہو سکتا ہے جو صرف آدمی ہو، انبیاء، اولیاء، امام، پیر اور شہید کو تو بلا جھجک آدمی کہہ دیا، صرف آدمی ہی نہیں بلکہ عاجز بندہ بھی کہہ دیا اور بعد میں بڑا بھائی کہہ کر خود چھوٹے میاں بن بیٹھے۔ لیکن نانوتوی صاحب کا جب معاملہ آیا تو اب نانوتوی صاحب صرف آدمی، بشر اور انسان کے عام مرتبہ کے نہ رہے، بلکہ ان کا درجہ انسانیت سے بالا نظر آنے لگا۔

(۷) مولوی اشرف علی تھانوی کی روایت کی ہوئی عبارت میں مطلق انسانیت کا لفظ ہے۔ یعنی تمام انسان۔ لفظ انسانیت کو مطلق یعنی عام (Common) کہا گیا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ جتنے بھی انسان گزرے ہیں، جتنے بھی انسان موجود ہیں اور جتنے بھی انسان بعد میں آئیں گے، وہ عام انسان یا آدمی یا بشر سب کے سب انسانیت کے حامل ہیں، لیکن وہابیوں کے پیشوا نانوتوی صاحب تو انسانیت کے درجے سے بھی بالا یعنی بلند ہیں۔ (معاذ اللہ)

اس کا ایک مطلب یہ ہوا کہ تمام انبیائے کرام اور تمام مرسلین عظام اور خاص کر سید الانبیاء و

المسلمین، حضور اقدس ﷺ انسانیت کے درجہ تک محدود ہیں، مگر دارالعلوم دیوبند کے بانی مولوی قاسم نانوتوی صاحب تو انسانیت کے درجہ سے بھی اونچے اور بلند ہیں۔ درپردہ نانوتوی جی کا درجہ انبیاء اور مرسلین سے بڑھانے کی مذموم حرکت کی گئی ہے۔

(۸) اب نانوتوی صاحب کو گناہوں سے معصوم ثابت کرنے کے لیے یہ کہا کہ ”وہ شخص ایک فرشتہ مقرب تھا، جو انسانوں میں ظاہر کیا گیا“ صرف فرشتہ کہنے سے اطمینان نہیں ہوا۔ اس لیے فرشتہ کے ساتھ ”مقرب“ کی قید لگائی، فرشتوں کے کئی درجات ہیں۔ تمام فرشتوں میں سب سے بلند درجہ حضرت جبریل، حضرت میکائیل، حضرت عزرائیل، اور حضرت اسرافیل کا ہے، ان کو مقرب فرشتے کہتے ہیں، مقرب کا مطلب بزرگی والا، قربت یعنی نزدیکی والا ہوتا ہے۔ ان فرشتوں کو اللہ تعالیٰ سے قرب یعنی نزدیکی حاصل ہے۔ لہذا ان کو مقرب فرشتہ کہتے ہیں، تمام فرشتے معصوم ہوتے ہیں، یعنی ان سے گناہ نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ نے تمام کے تمام فرشتوں کو گناہوں سے ایسا پاک اور محفوظ فرمایا ہے کہ ان سے کبھی گناہ نہیں ہوتا۔

اب آپ حکایت اولیاء کتاب کی تھانوی صاحب کے ذریعہ بیان کی ہوئی حکایت کے آخری جملے کو دیکھیں کہ دارالعلوم دیوبند کا بانی مولوی قاسم نانوتوی:

● بزرگی والا یعنی مقرب فرشتہ تھا۔

● فرشتہ گناہوں سے پاک اور محفوظ ہوتا ہے، لہذا نانوتوی جی بھی معصوم تھے۔

● نانوتوی صاحب دراصل یعنی واقعی یعنی اصل روپ میں (Basically) فرشتہ ہی تھے، جن کو انسانوں میں ظاہر کیا گیا۔

● بلکہ نانوتوی صاحب کا پوری انسانیت پر احسان جتایا جا رہا ہے کہ وہ انسانیت سے بلند درجہ والے اور مقرب فرشتہ ہونے کی باوجود بھی انسانوں میں ظاہر ہوئے۔ یہ نانوتوی صاحب کا

تمام انسان پر احسان ہے کہ وہ اتنے عظیم درجے سے نیچے اتر کر انسانوں کی فلاح کے لیے انسانوں میں تشریف لائے۔

● ایک اہم بات کی بحث بھی کر لیں کہ انبیائے کرام اور خاص کر سید الانبیاء والمرسلین حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی عظمت اور تعظیم کا جب معاملہ ہوتا ہے، تب منافقین زمانہ چیخ چیخ کر قرآن اور حدیث سے دلیل طلب کرتے ہیں، بلکہ ہر وقت ان منافقوں کی یہی کوشش ہوتی ہے کہ وہ نبی کی شان گھٹانے کے لیے قرآن مجید کی آیت متشابہات ہی پیش کرتے ہیں یا پھر ضعیف اور موضوع حدیثیں بیان کرتے ہیں۔ لہذا اب ہم ان سے سوال پوچھتے ہیں کہ:

● نانوتوی صاحب کی خدمت میں حاضر ہونے کے لیے با وضو ہونا، قرآن کی کون سی آیت یا کونسی حدیث سے ثابت ہے؟

● قرآن کی کون سی آیت یا کون سی حدیث میں ایسا بیان ہے کہ نانوتوی صاحب کا درجہ انسانیت سے بالا ہے۔

● نانوتوی صاحب فرشتہ مقرب ہیں اس کا ثبوت کسی آیت قرآن یا حدیث سے دے سکتے ہو؟
الحاصل! وہابی دیوبندی، تبلیغی جماعت کا اصل مقصد انبیاء کرام، اولیاء عظام اور اللہ کا قرب رکھنے والے محبوب اور مقبول بندوں کی شان گھٹانے کے لیے ہمیشہ توحید الہی کی آڑ لینا ہے۔ لیکن جب اپنے پیشوا اور ملاؤں کا معاملہ ہوتا ہے، تب توحید اور شرک کے تمام اصول بھول جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں سے قوم مسلم کا رشتہ توڑنے کے لیے ہمیشہ قرآن مجید کی آیت کا سہارا لے کر اس کا من چاہے ترجمہ اور تفسیر بیان کر کے گمراہی پھیلاتے ہیں۔

مثال کے طور پر:

جب کوئی مسلمان اپنے پیارے آقا و مولیٰ ﷺ کو مصیبت کے وقت پکارتا ہے اور مدد طلب کرتا ہے، تب نبی کے دشمن منافقین زمانہ فوراً قرآن کی آیت پیش کرتے ہیں کہ:

”اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِينُ“

سورہ فاتحہ کی یہ آیت پیش کر کے اس کا ترجمہ بھی بیان کرتے ہیں کہ ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں۔ پھر اس آیت کے ترجمہ کے ضمن میں اپنی طرف سے گپ لگاتے ہوئے یہاں تک کہہ دیتے ہیں کہ اس آیت کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے کسی سے بھی مدد نہ مانگنے کا حکم دیا ہے اور صرف اللہ سے ہی مدد مانگنے کا حکم دیا ہے۔ لہذا ہمیں کسی نبی یا ولی سے ہرگز مدد نہیں مانگنی چاہیے۔ کیوں کہ اللہ کے سوا کسی سے مدد مانگنا شرک ہے۔ (معاذ اللہ)

ذرا غور کریں کہ

آیت کے ضمن میں اپنے باطل خیالات کو شامل کر کے مفہوم کتنا بگاڑ ڈالا، بلکہ یہاں تک کہہ دیا کہ کسی نبی یا ولی سے بھی مدد نہیں مانگنی چاہیے۔ ایک بات خود یاد رکھیں کہ وہابی دیوبندی مذہب میں توحید کا مطلب ہی انبیاء اور اولیاء کی شان میں توہین اور گستاخی کر کے قوم مسلم کے دلوں سے ان مقدس ہستیوں کی عظمت گھٹا کر ان سے مسلمانوں کا رشتہ اور تعلق توڑنا ہے۔

بے شک حقیقی مدد کرنے والا صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے، لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنی عطا سے اپنے محبوب بندوں کو بھی یہ اختیار دیا ہے کہ وہ اللہ کی دی ہوئی طاقت اور تصرف سے اپنے چاہنے والوں کی مدد کر سکتے ہیں جیسا کہ پچھلے صفحات میں تفصیل سے بیان کیا گیا ہے کہ حقیقی اور مجازی یعنی ذاتی اور عطائی کا فرق سمجھنے بغیر اگر کوئی شخص قرآن مجید کے ظاہری الفاظ ہی کے معنی اخذ کر کے آیت کا مطلب اور مفہوم سمجھنے کی کوشش کرے گا، تو وہ بڑی گڑبڑی کھڑی کر دے گا، بلکہ ہدایت پانے کے بجائے گمراہ ہو جائے گا، جیسا کہ دور حاضر کے وہابی دیوبندی تبلیغی اور غیر مقلد فرقہ کے لوگ گمراہ ہوئے ہیں۔

اگر قرآن مجید کی سب آیتوں کے ظاہری معنی کو ہی لیا جائے گا تو قرآن کا صحیح مفہوم ہرگز سمجھ میں نہیں آئے گا، بلکہ توحید اور شرک جیسے اہم معاملات اور اس کے مسائل میں بڑی الجھن پیدا ہوگی۔

قرآن مجید کی آیت ”اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِينُ“ پیش کر کے انبیاء اور اولیاء سے مدد مانگنے کو شرک ٹھہرانے والے گمراہ فرقے کے لوگوں سے صرف اتنا ہی کہنا ہے کہ جب آپ لوگ قرآن مجید کی آیت کے لفظی معنی پر ہی عمل کرتے ہو تو صرف اسی ایک آیت پر ہی کیوں اصرار کرتے ہو، قرآن مجید میں مختلف قسم کا بیان ہے۔

مثال کے طور پر :

☆ **آیت نمبر ۱ سے ۹ :**

”لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ“

ترجمہ : ”اللہ ہی کا ہے، جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے۔“ (کنز الایمان)

حوالہ :

- (۱) پارہ نمبر ۳، سورۃ بقرہ، آیت نمبر ۲۸۴
- (۲) پارہ نمبر ۴، سورۃ آل عمران، آیت نمبر ۱۰۹
- (۳) پارہ نمبر ۴، سورۃ آل عمران، آیت نمبر ۱۲۹
- (۴) پارہ نمبر ۵، سورۃ نساء، آیت نمبر ۱۲۶
- (۵) پارہ نمبر ۵، سورۃ نساء، آیت نمبر ۱۳۱
- (۶) پارہ نمبر ۵، سورۃ نساء، آیت نمبر ۱۳۲
- (۷) پارہ نمبر ۲۱، سورۃ لقمان، آیت نمبر ۲۶
- (۸) پارہ نمبر ۲۷، سورۃ نجم، آیت نمبر ۳۱
- (۹) پارہ نمبر ۵، سورۃ نساء، آیت نمبر ۱۷۰

☆ آیت نمبر ۱۰ سے ۱۶

”لَهُ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ه“

☆ ترجمہ: ”اسی کا ہے، جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں“۔ (کنز الایمان)

☆ حوالہ:

- (۱) پارہ نمبر ۱۱، سورہ یونس، آیت نمبر ۶۸
- (۲) پارہ نمبر ۱۶، سورہ نساء، آیت نمبر ۱۷۱
- (۳) پارہ نمبر ۱۷، سورہ حج، آیت نمبر ۶۴
- (۴) پارہ نمبر ۲۲، سورہ سبأ، آیت نمبر ۱
- (۵) پارہ نمبر ۲۵، سورہ شعراء، آیت نمبر ۴
- (۶) پارہ نمبر ۱۳، سورہ ابراہیم، آیت نمبر ۲
- (۷) پارہ نمبر ۱۴، سورہ نحل، آیت نمبر ۵۲

☆ آیت نمبر ۱۷

”الْإِنِّ لِلَّهِ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ“

☆ ترجمہ: ”سن لو، بے شک اللہ ہی کا ہے، جو کچھ آسمانوں میں ہے اور زمین میں“۔ (کنز الایمان)

☆ حوالہ:

- (۱) پارہ نمبر ۱۱، سورہ یونس، آیت نمبر ۵۵

☆ آیت نمبر ۱۸

”الْإِنِّ لِلَّهِ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ“

☆ ترجمہ: ”سن لو، بے شک اللہ ہی کی ملک ہیں، جتنے آسمانوں میں ہیں اور جتنے زمینوں میں۔“

☆ حوالہ:

- (۱) پارہ نمبر ۱۱، سورہ یونس، آیت نمبر ۶۶

☆ آیت نمبر ۱۹ سے ۲۰

”وَلَهُ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ“

☆ ترجمہ: ”اور اسی کے ہیں، جتنے آسمانوں اور زمین میں ہیں۔“ (کنز الایمان)

☆ حوالہ:

- (۱) پارہ نمبر ۱۷، سورہ انبیاء، آیت نمبر ۱۹

- (۲) پارہ نمبر ۲۱، سورہ روم، آیت نمبر ۲۶

یہاں تک ہم نے صرف بیس آیات قرآن پیش کی ہیں، جن میں اللہ تعالیٰ صاف ارشاد فرماتا ہے کہ:
”آسمانوں میں اور زمین میں جو کچھ بھی ہے، جتنے بھی ہیں، وہ سب اللہ ہی کا ہے۔ اللہ ہی کی

ملک ہیں، اللہ ہی کے ہیں۔“

یعنی اس کائنات میں جو کچھ بھی ہے، جو کوئی بھی ہے، ان سب کا مالک صرف اللہ تعالیٰ ہے۔
سب کچھ صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کا ہے۔ اللہ کے سوا کسی کا کچھ بھی نہیں، اللہ کے سوا کوئی بھی اس
کائنات کی کسی بھی چیز کا مالک نہیں۔

ہم روزانہ اپنے گھریلو زندگی، خانگی، سماجی، قومی، بیوپاری، تجارتی، مذہبی، ریاستی اور دیگر
معاملوں میں عام طور بولتے ہیں کہ:

میرا گھر، میری موٹر کار، راجا کا محل، نواب کی حویلی، زید کا کارخانہ، خالد کی فیکٹری، بکر کی
دکان، عمرو کی ہوٹل، حسین کا گیٹ ہاؤس، احمد کا کھیت، حسن کا باغ، میرا مال، تیرا سامان، ابا کی

جائداد، ہاشم کا اسکوٹر، سکندر کا ٹرک، حاجی کا ورک شاپ، سلیم کا پولیس، حکیم کا دواخانہ، ابراہیم کا ڈھابہ، ڈاکٹر کا اسپتال، میرا قلم، میرا چشمہ، تیرا جوتا، بھائی کا کرتا، بہن کا دوپٹہ، بیوی کا زیور وغیرہ وغیرہ۔

الختصر! ہم روز ”یہ میرا، یہ تیرا، یہ اس کا، وہ اس کا“ بولتے اور کہتے ہیں، صرف کہتے اور سنتے ہی نہیں بلکہ مانتے بھی ہیں کہ یہ میرا ہے، یہ تیرا ہے۔ حالاں کہ قرآن مجید میں صاف اور کھلے لفظوں میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

”اللہ ہی کا ہے، جو کچھ آسمانوں اور زمینوں میں ہے۔“

لیکن ہم جن چیزوں کی نسبت یعنی جو کچھ بھی آسمان اور زمین کے بیچ میں ہے، اس کی نسبت ایک دوسرے کے ساتھ کرتے ہیں کہ یہ چیز تیری ہے اور یہ چیز میری ہے۔ اس طرح کی نسبت کرتے وقت ہمیں کوئی ڈر یا خطرہ محسوس نہیں ہوتا کہ ہم نے فلاں چیز کی نسبت فلاں شخص کے ساتھ کر کے قرآن مجید کے صاف ارشاد کے خلاف یا شرک کا کوئی کام کیا ہے۔ بلکہ ہر چیز کے ساتھ ہر طرح کی نسبت اتنی ضروری ہو گئی ہے کہ اس کے بغیر آدمی کا کوئی بھی کام نہیں چل سکتا۔ مثال کے طور پر:

خالد کسی ضروری کام سے اپنے دوست عمران کے گھر جا رہا تھا، راستہ میں اسے پولیس نے روکا، کیوں کہ رات کے دو بجے کا وقت تھا، سناٹا چھایا ہوا تھا اور ان دنوں شہر میں چوری کے کئی واقعات ہوئے تھے، جس محلے میں خالد کو پولیس والے نے روکا تھا، اس محلے کا عمران کارپورٹریٹ (Carporetar) تھا، بلکہ میونسپلٹی کا نائب صدر ہونے کی وجہ سے خوب مشہور تھا، خالد اس محلے کے لیے انجانا تھا، کیونکہ اس کا گھر اس محلے سے کافی دور تھا، لیکن خالد کو ایسا ضروری کام پیش آیا تھا کہ رات دو (۲) دو بجے اسے اپنے گھر سے نکل کر اپنے بچپن کے دوست عمران کے گھر کی طرف جانا پڑا تھا، ایک خاص بات یہ ہوئی تھی کہ خالد جس اسکوٹر پر سوار ہو کر جا رہا تھا اس میں R.T.O. کی نمبر پلیٹ بھی لگی ہوئی نہیں تھی۔

بغیر نمبر پلیٹ کے اسکوٹر پر رات کے دو بجے کسی انجان شخص کو جاتے دیکھ کر پولیس نے روکا

اور پوچھا کہ کون ہو؟ کہاں سے آتے آتے ہوں؟ کہاں جا رہے ہو؟ خالد نے ان سوالوں کا فوراً جواب دینے کی بجائے سوچنے لگا کہ قرآن میں تو اللہ تعالیٰ کا صاف ارشاد ہے کہ ”لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ“ یعنی اللہ ہی کا ہے، جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے۔ لہذا بے شک میں اپنے مکان سے آیا اور عمران کے مکان کی طرف جا رہا ہوں، لیکن میرا مکان اور عمران کا مکان تو قرآن کے فرمان کے مطابق اللہ ہی کا ہے۔ لہذا اس نے پولیس کو جواب دیتے ہوئے کہا کہ:

”جناب میں اس مکان سے آیا ہوں جو اللہ کا ہے، اور ضروری کام سے اس مکان کی طرف جا

رہا ہوں جو اللہ کا ہے۔“

خالد کا یہ جواب سن کر پولیس کو غصہ بھی آیا اور خالد کے شریف آدمی ہونے پر بھی شک ہونے لگا، کیوں کہ خالد نے پولیس کے سوال کا جواب تھوڑی دیر سوچنے کے بعد دیا تھا اور جواب بھی ایسا دیا تھا کہ کسی کی سمجھ میں نہ آسکے، پولیس کو پختہ شک ہو گیا کہ اوٹ پٹانگ جواب دینے والا یہ شخص کوئی چور معلوم ہوتا ہے۔ لہذا پولیس نے لال آنکھ کرتے ہوئے، اپنا رویہ بدلہ اور خالد کو چوری کے ارادے سے بھٹکتا ہوا مجرم سمجھ کر ذلیل کرتے ہوئے حوالات میں بند کر دیا۔

ذرا غور فرمائیں۔

خالد نے پولیس کو جواب دیتے ہوئے جو کہا، وہ واقعی قرآن کے ارشاد کے نچوڑ کے روپ میں تھا، مگر اس طرح کا جواب دینا اپنے آپ کو مصیبت میں ڈالنا ہے، بلکہ یہاں پر لازم تھا کہ وہ یہ کہے کہ میں اپنے مکان سے عمران صاحب کے مکان کی طرف جا رہا ہوں، اگر ہم نے اس طرح کی نسبتیں کرنا قرآن کے خلاف سمجھ کر اور شرک کا خطرہ سمجھ کر چھوڑ دیا تو ہمارا جینا مشکل ہو جائے گا۔ لہذا ہم ہماری روزانہ کی گفتگو میں یہ تیرا، یہ میرا، وہ اس کا وغیرہ نسبت کرتے ہیں اور اس طرح کی نسبت شرعاً جائز اور مناسب ہے۔

ذرا ان منافقین زمانہ سے پوچھو کہ جناب جب ہم اولیاء اور انبیاء سے مدد مانگتے، ہیں تب آپ فوراً آستین چڑھا کر لڑنے مرنے، مارنے، پٹینے، پٹانے کے لیے تیار ہو جاتے ہو اور چیخ چیخ کر ”اَيَّاكَ نَعْبُدُ وَ اَيَّاكَ نَسْتَعِينُ“ آیت کریمہ پیش کر کر کے شرک کے خطرے کی گھنٹی زور زور سے بجاتے ہو۔ صرف ایک آیت کا سہارا لے کر انبیائے کرام اور اولیائے عظام سے مدد مانگنے سے قوم مسلم کو روکتے ہو اور اس طرح مدد مانگنے کو شرک اور قرآن کے خلاف کہتے ہو، تو اب ذرا ٹھنڈے دماغ سے سوچ کر جواب دو کہ قرآن میں کئی مرتبہ صاف لفظوں میں ارشاد رب تعالیٰ ہے کہ: جو کچھ بھی آسمانوں اور زمین میں ہے، وہ سب کچھ اللہ ہی کا ہے اور اللہ ہی کی ملک ہے۔ لیکن تم اپنے مکان اور فیکٹری اور دوسری چیزوں کے لیے یہ کہتے ہو کہ یہ مکان میرا ہے، یہ زمین میری پراپرٹی (Property) ہے، اس فیکٹری کا مالک میں ہوں، تو اب بتائیے یہ بھی شرک ہے؟

اس سوال کے جواب میں منافقین زمانہ کہتے ہیں کہ نہیں شرک نہیں، کیوں اللہ نے ہم کو اپنی عطا سے ان چیزوں کا مالک بنایا ہے۔ ذاتی اور حقیقی مالک تو اللہ ہی ہے، ہم تو عطائی اور مجازی مالک ہیں، ان لوگوں کے اس جواب پر ہم گرفت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ہم بھی انبیاء اور اولیاء سے جو مدد مانگتے ہیں وہ بھی ہرگز شرک نہیں بلکہ اللہ نے اپنی عطا سے اپنے محبوب بندوں کو تصرف کا اختیار اور مدد کرنے کی طاقت دی ہے۔ ذاتی اور حقیقی مددگار تو اللہ ہی ہے، انبیاء اور اولیاء تو عطائی اور مجازی مددگار ہیں۔

حد سے زیادہ نبی کریم ﷺ سے عداوت

اس زمانہ کے صرف نام کے مسلمان اور حقیقت میں کھلے منافق یعنی وہابی تبلیغی جماعت کے لوگوں کو انبیاء اور اولیاء سے اور خاص کر سید الانبیاء والمرسلین، حضور اقدس رحمت عالم ﷺ سے اتنی خاص دشمنی ہے کہ وہ لوگ انبیاء اور اولیاء سے مدد مانگنے کو شرک بتانے کے ساتھ ساتھ انبیاء اور اولیاء کا وسیلہ اور ان کے وسیلے سے دعا مانگنے سے بھی روکتے ہیں۔

حد تو یہ ہوگئی کہ ہزاروں سال سے جس واقعہ کے صحیح ہونے میں کسی نے بھی شک نہیں کیا اور ملت اسلامیہ کے جلیل القدر علماء، محدثین، مفسرین، مجتہدین، مستنبطین، محققین، اولیاء اور فقہاء نے قبول رکھا بلکہ عظیم الشان صحابہ کرام، تبع تابعین نے جسے روایت فرمایا۔ ایسا مشہور اور صحیح واقعہ یعنی حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ کا حضور اقدس ﷺ کے صدقہ اور وسیلے سے قبول ہونے کا واقعہ بھی اب ہزار سالوں کے بعد اس زمانہ کے منافق یعنی وہابی، نجدی، دیوبندی، تبلیغی جماعت کے لوگ غلط بتا رہے ہیں۔

جس کتاب کا اس وقت ہم رد لکھ رہے ہیں یعنی وہابی مصنف ابو خالد کی ہندی کتاب ”قرآنی درس توحید“ (خبردار ہوشیار رہو) کے صفحہ نمبر ۳۶ سے ۳۹ تک حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ کے واقعہ کے ضمن میں سراسر جھوٹ اور غلط بیانی سے کام لیتے ہوئے یہاں تک لکھ دیا کہ:

- ”حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ حضور اقدس ﷺ کے وسیلے سے دعا کرنے سے قبول نہیں ہوئی ہے۔ (معاذ اللہ)
 - کائنات کی پیدائش کا مقصد صرف اللہ تعالیٰ کی بندگی ہے، حضور اقدس ﷺ کی ذات نہیں۔“
- اب ہم مذکورہ دونوں غلط باتوں کا جواب قرآن مجید کی معتبر تفسیروں اور حدیث کی صحیح اور معتمد کتابوں سے الگ الگ عنوان سے دیتے ہیں۔

حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ کا حضور اقدس ﷺ کے وسیلے سے قبول ہونا

سب سے پہلے ہم حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی توبہ قبول ہونے کا واقعہ پیش کرتے ہیں۔ اشرف التفسیر (تفسیر نعیمی) جلد نمبر ۱، صفحہ نمبر ۳۰۱، ناشر: نعیمی کتب خانہ، گجرات، پاکستان میں تفسیر عزیزی، تفسیر روح البیان اور تفسیر خزائن العرفان کے حوالے سے طبرانی، حاکم، ابونعیم اور بیہقی کی روایت نقل فرمائی ہے کہ:

”حضرت سیدنا عمر فاروق اور حضرت سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے ارشاد فرمایا کہ حضور اقدس ﷺ ارشاد فرماتے ہیں کہ جب حضرت آدم علیہ السلام کی پریشانی انتہاء کو پہنچ چکی، تو ان کو ایک دن یاد آیا کہ میں نے اپنی پیدائش کے وقت عرش اعظم پر لکھا دیکھا تھا کہ ”لا اِلهَ اِلاَّ اللهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللهِ“، جس سے معلوم ہوا کہ محمد رسول اللہ (ﷺ) کا وہ درجہ ہے کہ ان کا نام عرش اعظم پر رب کے نام کے ساتھ لکھا ہوا ہے۔ تدبیر یہی ہے کہ انھیں کے وسیلے سے دعائے مغفرت کروں۔ چنانچہ اس دعا کے ساتھ یہ بھی عرض کیا ”اَسْأَلُكَ بِحَقِّ مُحَمَّدٍ اَنْ تَغْفِرَ لِي“ ابن منظور کی روایت میں یہ کلمات ہے۔ ”اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْأَلُكَ بِجَاهِ مُحَمَّدٍ عَبْدِكَ وَكَرَامَتِهِ عَلَيْكَ اَنْ تَغْفِرَ لِي“ یعنی یارب! میں تجھ سے تیرے بندہ خاص حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی عزت اور مرتبہ کے طفیل اور اس بزرگی کے صدقہ میں جو انھیں تیرے دربار میں حاصل ہے، مغفرت چاہتا ہوں۔ تب فوراً جواب الہی آیا کہ اے آدم! تم نے اس شہنشاہ کو کہاں سے جانا؟ حکم الہی آیا کہ اے آدم! وہ محبوب سب پیغمبروں سے پچھلے پیغمبر ہیں۔ تمھاری اولاد سے ہیں۔ اگر وہ نہ ہوتے تو تم کو بھی پیدائہ کیا جاتا۔“

مندرجہ بالا روایت کے صحیح ہونے میں ذرا برابر بھی شک و شبہ نہیں ہے۔ لیکن آج کل ہر بات پر دلیل طلب کی جاتی ہے۔ لہذا قرآن مجید کی معتبر تفسیر اور کتب احادیث کے کچھ حوالے پیش خدمت ہیں۔

حوالہ نمبر: ۱

”عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ”أَنَّ آدَمَ قَالَ بِحَقِّ مُحَمَّدٍ اَنْ تَغْفِرَ لِي“

قَالَ: وَكَيْفَ عَرَفْتَ مُحَمَّدًا قَالَ: لَمَّا خَلَقْتَنِي وَنَفَخْتَ فِي الرُّوْحِ فَتَحَّتْ عَيْنِي فَرَأَيْتُ عَلَى سَاقِ الْعَرْشِ لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللهِ فَلَعَلَّمْتُ أَنَّهُ أَكْرَمُ الْخَلْقِ عَلَيْكَ حَتَّى قَرَنْتَ إِسْمَهُ بِإِسْمِكَ فَقَالَ: نَعَمْ وَغُفِرَ لَهُ بِشَفَاعَتِي.“

حوالہ: تفسیر روح البیان، الإمام العالم الفاضل شیخ إسماعیل حقی، المتوفى: ۱۱۳۷ھ، المجلد الاول، صفحہ: ۱۵۱، مطبوعہ: دار احیاء التراث العربی، بیروت

ترجمہ:

”نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام نے عرض کیا کہ مجھے حضرت محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کے طفیل بخش دے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے آدم! تو نے محمد (ﷺ) کو کیسے پہچانا؟ عرض کیا اے اللہ! جب تو نے مجھے پیدا کر کے میرے اندر روح پھونکی، تو میں نے آنکھ کھولی تو عرش پر لکھا دیکھا ”لا اِلهَ اِلاَّ اللهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللهِ“ اس سے مجھے معلوم ہوا کہ وہ تیرے نزدیک تمام مخلوق سے برگزیدہ ہیں کہ ان کے نام کے ساتھ تیرا نام لکھا ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہاں ایسا ہی ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ حضور اقدس ﷺ کے وسیلے سے قبول ہوئی۔“

حوالہ نمبر: ۲

”رَأَى مَكْتُوبًا عَلَى سَاقِ الْعَرْشِ، مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللهِ فَتَشَفَّعَ بِهِ.“

حوالہ: روح المعانی فی تفسیر القرآن العظیم والسبع المثانی، العلامة ابوالفضل شہاب الدین السید محمود الألوسی، المتوفى: ۱۲۷۰ھ، المجلد الاول، صفحہ: ۲۳۸، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت

ترجمہ:

”حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عرش پر محمد رسول اللہ لکھا ہوا دیکھا، تو اس کے وسیلے سے

مغفرت چاہی۔“

حوالہ نمبر : ۳

” وَقَالَتْ طَائِفَةٌ: رَأَى مَكْتُوبًا عَلَى سَاقِ الْعَرْشِ ” مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ“
فَتَشَفَّعَ بِذَلِكَ.“

حوالہ : تفسیر القرطبی، لأبی عبد اللہ محمد بن أحمد الأناصاری القرطبی، المتوفی: ۶۷۱ھ،
المجلد الاول، صفحہ: ۲۲۱، مطبوع: دارالکتب العلمیہ، بیروت

ترجمہ :

” ایک جماعت کا قول ہے کہ حضرت آدم علیہ الصلاۃ والسلام نے عرش پر محمد رسول اللہ لکھا دیکھا تو اسی کے وسیلے سے رب تعالیٰ سے سفارش کی۔“

حوالہ نمبر : ۴

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ”لَمَّا اقْتَرَفَ آدَمُ الْخَطِيئَةَ قَالَ يَا رَبِّ أَسْأَلُكَ بِحَقِّ مُحَمَّدٍ لَمَّا غَفَرْتَ لِي، فَقَالَ اللَّهُ: يَا آدَمُ وَكَيْفَ عَرَفْتَ مُحَمَّدًا وَلَمْ أَخْلُقْهُ؟ قَالَ: لِأَنَّكَ يَا رَبِّ لَمَّا خَلَقْتَنِي بِيَدِكَ، وَنَفَخْتَ فِيَّ مِنْ رُوحِكَ، رَفَعْتَ رَأْسِي فَرَأَيْتُ عَلَى قَوَائِمِ الْعَرْشِ مَكْتُوبًا: لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ، فَعَلِمْتُ أَنَّكَ لَمْ تَخْلُقْهُ؟ قَالَ: يَا رَبِّ لَمَّا خَلَقْتَنِي بِيَدِكَ وَنَفَخْتَ فِيَّ مِنْ رُوحِكَ رَفَعْتَ رَأْسِي فَرَأَيْتُ عَلَى قَوَائِمِ الْعَرْشِ مَكْتُوبًا لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ فَعَلِمْتُ أَنَّكَ لَمْ تَخْلُقْهُ؟ قَالَ: يَا رَبِّ لَمَّا خَلَقْتَنِي بِيَدِكَ وَنَفَخْتَ فِيَّ مِنْ رُوحِكَ رَفَعْتَ رَأْسِي فَرَأَيْتُ عَلَى قَوَائِمِ الْعَرْشِ مَكْتُوبًا لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ فَعَلِمْتُ أَنَّكَ لَمْ تَخْلُقْهُ؟ قَالَ: يَا رَبِّ لَمَّا خَلَقْتَنِي بِيَدِكَ وَنَفَخْتَ فِيَّ مِنْ رُوحِكَ رَفَعْتَ رَأْسِي فَرَأَيْتُ عَلَى قَوَائِمِ الْعَرْشِ مَكْتُوبًا لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ فَعَلِمْتُ أَنَّكَ لَمْ تَخْلُقْهُ؟“

حوالہ : المستدرک علی الصحیحین، للإمام الحافظ ابی عبد اللہ محمد بن عبد اللہ الحاکم النیسابوری
(المتوفی ۴۰۵ھ) المجلد الثانی، صفحہ: ۶۷۲، مطبوع: دارالکتب العلمیہ، بیروت

ترجمہ :

”رسول اقدس ﷺ نے فرمایا کہ جب حضرت آدم علیہ السلام سے لغزش ہوئی، تو عرض

گزار ہوئے کہ اے رب میں حضرت محمد ﷺ کے وسیلے سے تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ مجھے بخش دے، اللہ تعالیٰ فرمایا کہ اے آدم! تو نے محمد ﷺ کو کیسے پہچانا؟ حالاں کہ میں نے ان کو ابھی پیدا نہیں فرمایا، حضرت آدم نے عرض کی کہ اے رب! جب تو نے مجھے اپنے دست قدرت سے پیدا فرمایا اور مجھ میں اپنی روح پھونکی تو میں نے سراٹھا کر عرش کے اوپر ”لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ“ لکھا دیکھا، پس مجھے معلوم ہو گیا کہ تو نے اپنے نام کے ساتھ مخلوق میں سب سے محبوب ترین کا نام نامی لکھا ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے آدم! تو نے سچ کہا، یقیناً وہ مخلوق میں میرے نزدیک سب سے زیادہ محبوب ہیں، ان کے وسیلے سے مجھ سے دعا مانگ، میں تجھے بخش دوں گا، اگر محمد ﷺ نہ ہوتے تو میں تجھے پیدا نہ کرتا۔

حوالہ نمبر : ۵ اور ۶

وَعَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ”لَمَّا اقْتَرَفَ آدَمُ الْخَطِيئَةَ قَالَ: يَا رَبِّ، أَسْأَلُكَ بِحَقِّ مُحَمَّدٍ لَمَّا غَفَرْتَ لِي، فَقَالَ اللَّهُ يَا آدَمُ، وَكَيْفَ عَرَفْتَ مُحَمَّدًا وَلَمْ أَخْلُقْهُ؟ قَالَ: لِأَنَّكَ يَا رَبِّ لَمَّا خَلَقْتَنِي بِيَدِكَ، وَنَفَخْتَ فِيَّ مِنْ رُوحِكَ، رَفَعْتَ رَأْسِي فَرَأَيْتُ عَلَى قَوَائِمِ الْعَرْشِ مَكْتُوبًا: لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ، فَعَلِمْتُ أَنَّكَ لَمْ تَخْلُقْهُ؟ قَالَ: يَا رَبِّ لَمَّا خَلَقْتَنِي بِيَدِكَ وَنَفَخْتَ فِيَّ مِنْ رُوحِكَ رَفَعْتَ رَأْسِي فَرَأَيْتُ عَلَى قَوَائِمِ الْعَرْشِ مَكْتُوبًا لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ فَعَلِمْتُ أَنَّكَ لَمْ تَخْلُقْهُ؟“

حوالہ :

(۱) المواہب اللدنیۃ باب الحمدیۃ، العلامة أحمد بن محمد القسطلانی، المتوفی: ۹۲۳ھ،

جلد اول، صفحہ: ۸۱، مطبوع: مرکز اہلسنت برکات رضا، پور بندر

(۲) انحصار کبریٰ، مصنف: شیخ امام علامہ جلال الدین السیوطی، المتوفی: ۹۱۱ھ
جلد ۱، ص ۶، ناشر: مرکز اہلسنت برکات رضا، پور بندر، گجرات۔

ترجمہ:

”فاروق اعظم حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب حضرت آدم علیہ السلام سے لغزش ہوئی، تو حضرت آدم نے عرض کی اے رب! میں حضرت محمد کے وسیلے سے تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ مجھے بخش دے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے آدم! تو نے محمد ﷺ کو کیسے پہچانا؟ حالاں کہ میں نے اسے ابھی پیدا نہیں کیا، حضرت آدم نے عرض کی کہ اے میرے رب! اس طرح کہ جب تو نے مجھے پیدا کیا اور میرے اندر اپنی روح پھونکی، تو میں نے اپنا سر اٹھا کر عرش پر لکھا دیکھا لا إله إلا الله محمد رسول الله تو میں نے جان لیا کہ تو نے مخلوق میں سے سب سے زیادہ محبوب کا نام اپنے نام کے ساتھ ملایا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ اے آدم! تو نے سچ کہا بے شک وہ تمام مخلوق میں مجھے سب سے زیادہ پیارا ہے، اور جب تو نے اس کے وسیلے سے مجھ سے سوال کیا ہے تو میں نے تجھے معاف فرما دیا ہے، اگر محمد نہ ہوتا تو میں تجھے پیدا نہ کرتا۔“

اس حدیث کو امام تہمتی نے دلائل النبوة میں حضرت عبدالرحمن بن زید بن اسلم کے حوالے سے روایت کیا، عبدالرحمن اس میں منفرد ہیں، نیز حاکم نے مستدرک میں اسے روایت کیا ہے۔ اور کہا کہ حدیث صحیح ہے۔ نیز امام طبرانی نے معجم اوسط میں اس حدیث کو روایت کیا اور اپنی بیان کردہ روایت میں اتنے الفاظ زیادہ روایت کیے ہیں: وهو آخر الانبياء من ذريتك يعني وه تيري ذريت (نسل) سے آخری نبی ہوں گے۔

انصاف کریں انصاف کریں انصاف کریں

حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی توبہ حضور اقدس ﷺ کے وسیلے سے قبول ہوئی، اس حقیقت کے ثبوت میں ہم نے چھ حوالے ایسی معتبر کتابوں سے دیے ہیں کہ منافقین زمانہ اس کو رد کرنے

کی قیامت تک ہمت اور طاقت نہیں رکھتے، صرف اور صرف ان پڑھ اور بھولے بھالے مسلمانوں کو دھوکہ دینے کے لیے سورہ بقرہ کی آیت نمبر: ۳۷ ﴿فَسَلِّقِي اَدَمُ مِنْ رَبِّهِ كَلِمَاتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ ط﴾ لکھ کر اس کے ضمن میں بھی تفسیر یا حدیث کی کتاب کے حوالے اور ثبوت کے بغیر اپنی طرف سے کھلم کھلا جھوٹ لکھ دیا کہ معاذ اللہ حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ حضور اقدس ﷺ کے وسیلے سے قبول نہیں ہوئی۔ علاوہ ازیں دھوکہ دینے کی غرض سے پارہ نمبر ۸ سورہ اعراف کی آیت نمبر: ۲۳ ﴿رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا وَ اِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَ تَرْحَمْنَا لَنَكُونَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ه﴾ پیش کر کے غلط مطلب نکالنے کی کوشش کی ہے۔ اپنے باطل دعویٰ کو سچ بتانے کے لیے پہلے سورہ بقرہ پارہ نمبر ۱ کی آیت نمبر ۳۰ پیش کر کے سیدھے جھپ لگا کر آٹھوے پارہ کی سورہ اعراف کی آیت نمبر ۲۳ پر پہنچ گئے، اور دونوں آیتوں میں ربط بتانے کی حرکت کر کے صرف اپنے باطل اور من چاہے فاسد خیالات لکھ دیے کہ معاذ اللہ حضرت آدم کی توبہ حضور اقدس ﷺ کے وسیلے سے مقبول نہیں ہوئی۔

قارئین کرام سے گزارش ہے کہ حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی توبہ کا ذکر قرآن مجید کی جس آیت یعنی پارہ نمبر ۱، سورہ بقرہ آیت نمبر: ۳۷ ﴿فَسَلِّقِي اَدَمُ مِنْ رَبِّهِ كَلِمَاتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ ط﴾ میں ہے، اس کے ضمن میں ہم نے قرآن مجید کی معتبر تفسیروں اور حدیث کی کتابوں کے جو حوالے پیش کیے ہیں، ان کو انصاف کے ترازو کے ایک پلے میں رکھیں اور دوسرے پلے میں گستاخ رسول کے بغیر کسی کتاب کے حوالے کے جھوٹے اور باطل نظریات کو رکھیں اور خود ہی انصاف فرمائیں کہ سچ کیا ہے اور جھوٹ کیا ہے؟

انصاف کا تقاضا تو یہ ہے کہ اگر معاذ اللہ حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی توبہ بغیر وسیلے کے مقبول ہوئی ہے، تو اس کا ثبوت معتبر تفسیر کی کتابوں کی اصل عربی عبارتیں، صفحہ نمبر اور دیگر ضروری تفصیل کے ساتھ پیش کرنا چاہیے، لیکن ”قرآنی درس توحید“ کے مصنف نے ان تمام باتوں سے منہ موڑ کر صرف اپنی من چاہی رائے اور اپنا باطل نظریہ لکھ دیا ہے۔

عظمت رسول گھٹانے کے لیے قرآن کی آیت کا غلط مفہوم بتانا

وہابی، دیوبندی، تبلیغی جماعت کا دستور بلکہ اصل مقصد انبیاء اور اولیاء اور خاص کر سید الانبیاء حضور اقدس ﷺ کی شان گھٹانا ہے اور اپنے اس ناپاک مقصد کو پورا کرنے اور لوگوں کو گمراہ کرنے کے لیے وہ ہمیشہ قرآن مجید کی مقدس آیتوں کے غلط تراجم، مفہوم، مقصد اور مراد بتاتے ہیں، آیت کس حکم کے لیے، کس کے حق میں، کس مقصد اور مراد کے لیے، کس مفہوم اور مطلب میں نازل ہوئی ہوتی ہے، تفسیر اور حدیث میں کیا شان نزول اور معنی ہوتے ہیں، لیکن یہ لوگ کیا کیا مطلب اور مفہوم بتاتے ہیں اور اس کے لیے وہ ہمیشہ سفید جھوٹ بلکہ کالا اور ٹینکی کلر جھوٹ بولنے میں کسی بھی قسم کی جھجک محسوس نہیں کرتے۔ مثال کے طور پر :

قرآنی درس توحید (ہندی) کے صفحہ نمبر ۳۸ پر صاف لفظوں میں لکھا ہے کہ :

دوسرا ظلم اس روایت میں یہ ہے کہ کائنات کی پیدائش کا مقصد نبی کریم ﷺ کی ذات کو ٹھہرایا گیا ہے، حالاں کہ قرآن فرماتا ہے۔

﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ﴾ (سورہ ذاریات، پارہ نمبر: ۲۷، آیت نمبر: ۵۶)

ترجمہ: میں نے نہیں پیدا کیا جن وانس کو مگر اپنی بندگی کے لیے۔

ثابت ہوا کہ کائنات کی پیدائش کا مقصد صرف اللہ تعالیٰ کی بندگی ہے، نہ کہ ذات نبی کریم ﷺ، خود نبی کریم ﷺ کو اللہ تعالیٰ کی بندگی کے لیے پیدا کیا گیا ہے۔

اس عبارت کو صرف ایک مرتبہ نہیں بلکہ کئی مرتبہ غور سے پڑھیں، آپ کے سامنے مصنف کی دھوکہ بازی بالکل بے پردہ سامنے آجائے گی:

- سورہ ذاریات کی آیت نمبر: ۵۶ میں صرف انسانوں اور جنات کی پیدائش کا مقصد بیان کیا گیا، کہ اللہ نے انسانوں اور جناتوں کو اپنی بندگی کے لیے پیدا کیا ہے۔
 - لیکن مصنف نے انسان اور جن یعنی پوری مخلوق میں سے صرف دو کے ذکر کی آیت کو پوری مخلوق پر چسپاں کر کے آیت اور آیت کا ترجمہ لکھنے کے بعد آیت کا مفہوم اور مقصد لکھنے میں خیانت (بے ایمانی) کرتے ہوئے لکھ دیا کہ ”ثابت ہوا کہ کائنات کی پیدائش کا مقصد صرف اللہ تعالیٰ کی بندگی ہے“، یعنی مصنف نے لوگوں کو دھوکہ دینے کے لیے آیت کے مفہوم کو بدل دیا، انسان اور جنات دو قسم کی ذات کی پیدائش کا جو مقصد ہے، صرف ان دو کے بجائے پوری کائنات کی پیدائش کا مقصد بتا دیا۔
 - سورہ ذاریات کی مذکورہ آیت نمبر: ۵۶ کو آپ بغور ملاحظہ فرمائیں، بلکہ اس آیت کے ہر لفظ اور حرف کو ٹوٹ ٹوٹ کر دیکھیں، آیت میں کہیں بھی مخلوق یا کائنات کا لفظ نہیں، اور نہ ہی اس آیت میں کوئی ایسا جملہ یا لفظ ہے جس کا معنی ایسا ہو، جس سے ہم کائنات مراد لے سکیں۔
 - صرف انسان اور جنات کو اللہ کی بندگی کے لیے پیدا کیے جانے والے مطلب کی آیت کو مصنف نے پوری کائنات پر چسپاں کر کے قرآن مجید کی کئی آیتوں کے مفہوم اور مطلب کو جھٹلایا ہے۔
- مثال کے طور پر قرآن میں ہے کہ:

”أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّا خَلَقْنَا لَهُمْ مِمَّا عَمِلَتْ أَيْدِينَا أَنْعَامًا فَهُمْ لَهَا مَالِكُونَ ۖ وَذَلَّلْنَا لَهُم فَمِنْهَا رَكُوبُهُمْ وَمِنْهَا يَأْكُلُونَ ۖ“ (پارہ، ۲۳، سورہ یٰسین، آیت: ۷۱ اور ۷۲)

ترجمہ:

”اور کیا انھوں نے نہ دیکھا کہ ہم نے اپنے ہاتھ سے بنائے ہوئے چوپائے ان کے لیے پیدا کیے، تو یہ ان کے مالک ہیں اور انھیں ان کے لیے نرم کر دیا، تو کسی پر سوار ہوتے اور کسی کو کھاتے ہیں۔“ (کنز الایمان)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے صاف ارشاد فرمایا ہے کہ ہم نے چار پاؤں والے جانور انسانوں کے لیے پیدا کیے ہیں، لیکن ”قرآنی درس توحید“ کتاب کا دھوکہ باز وہابی مصنف لکھتا ہے کہ پوری کائنات کو اللہ تعالیٰ کی بندگی کے لیے پیدا کیا گیا ہے۔

● قرآن مجید میں کئی آیتیں ایسی ہیں کہ جن میں صاف لکھا ہوا ہے کہ ہم نے ان کو اس مقصد کے لیے بنایا ہے۔ ان میں کہیں بھی اللہ کی عبادت کے لیے پیدا کرنے کا مقصد نہیں بتایا گیا، یہاں اتنی گنجائش نہیں کہ ان تمام آیتوں کو عربی متن اور ترجمہ کے ساتھ نقل کریں۔

قارئین کرام کی علمی معلومات میں اضافہ کرنے کی نیک نیت سے یہاں صرف پانچ آیتوں کی نشان دہی کر دیتے ہیں:

(۱) پارہ نمبر ۱، سورہ بقرہ، آیت نمبر ۲۹

”اللہ نے تمہارے لیے یعنی تمہارے فائدے اور استعمال کے لیے جو کچھ زمین میں ہے اسے بنایا ہے۔“

(۲) پارہ نمبر ۴، سورہ آل عمران، آیت نمبر ۱۹۰

”آسمان اور زمین کی پیدائش اور رات و دن کی باہم بدلیوں میں عقل مندوں کے لیے نشانیاں ہیں۔“

(۳) پارہ نمبر: ۱۴، سورہ نحل، آیت نمبر: ۸۱

”اللہ نے تمہارے لیے پہاڑ بنائے، گرمی سے بچنے اور لڑائی سے حفاظت کے لیے پہناوے (پہننے کے لباس) بنائے۔“

(۴) پارہ نمبر ۲۰، سورہ نمل، آیت نمبر ۶۰

”تمہارے لیے آسمان سے پانی اتارا۔“

(۵) پارہ نمبر ۲۳، سورہ یٰسین، آیت نمبر: ۴۲

”ان کے لیے کشتیاں بنائی۔“

ان آیتوں میں مختلف چیزوں کا جو کائنات کا اہم حصہ ہیں، یعنی آسمان، زمین، رات، دن، پہاڑ، پانی، کپڑے، کشتیاں اور جو کچھ بھی زمین میں ان سب کو بنانے اور پیدا کرنے کا ذکر ہے، لیکن کہیں بھی یہ نہیں فرمایا گیا کہ ہم نے ان سب چیزوں کو اپنی بندگی کے لیے پیدا کیا ہے۔

لیکن !!!

دھوکہ باز مصنف قرآن کے خلاف اپنی رائے اور نظریہ لکھتا ہے کہ ان سب کو اللہ کی بندگی کے لیے پیدا کیا گیا ہے۔

● کائنات کی پیدائش کا مقصد صرف اللہ کی بندگی لکھنے کا مصنف کا مقصد صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کے محبوب اعظم حضور اقدس ﷺ کی شان اور عظمت گھٹانا ہے، کیوں کہ مصنف نے جو جملہ لکھا ہے وہ اس طرح ہے:

”کائنات کی پیدائش کا مقصد صرف اللہ تعالیٰ کی بندگی ہے نہ کہ ذات نبی ﷺ“

اس جملہ کا صاف مطلب ہے کہ پوری کائنات صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لیے بنائی گئی ہے۔ اللہ نے اس کائنات کو حضور اقدس، رحمت عالم ﷺ کے لیے نہیں بنائی۔

یہ جملہ کیوں لکھا؟

اس لیے کہ منافقین زمانہ کا عقیدہ ہے کہ حضور اقدس ﷺ ہمارے جیسے بشر ہیں بلکہ یہاں تک کہتے ہیں کہ معاذ اللہ عاجز بندے اور ہمارے بھائی ہیں۔ مگر اللہ نے ان کو بڑائی دی وہ بڑے بھائی ہوئے۔ (دیکھو: تقویۃ الایمان، مؤلف: مولوی اسماعیل دہلوی، صفحہ نمبر: ۹۹، ناشر: دارالسلفیہ، ممبئی)

جب ان منافقوں کا عقیدہ یہ ہے کہ نبی ہماری طرح اور عاجز یعنی لاچر، کمزور مجبور بندے ہیں تو اگر یہ بات مان لی گئی کہ اس کائنات کو اللہ تعالیٰ نے حضور اقدس ﷺ کے لیے پیدا فرمایا ہے تو اس

بات کو مان لینے سے نبی کریم ﷺ کا مرتبہ بہت ہی بڑا اور عظیم ثابت ہوگا، اور نبی کریم کی عظمت اور بلندیء شان ان منافقوں کے لیے ناقابل برداشت ہے، کیوں کہ ان کا اصل مقصد اللہ تعالیٰ کی توحید کی آڑ میں اللہ کے پیارے محبوب کی توہین کرنا ہے، لہذا سورۃ ذاریات کی آیت نمبر ۵۸ جو صرف دو مخلوق یعنی انسان اور جنات کے تعلق سے ہی تھی، اور جس آیت میں صرف انسان اور جنات کی پیدائش کا مقصد اللہ کی بندگی بتایا گیا ہے، اس آیت کو پیش کر کے اس آیت کا من چاہا مفہوم اور مطلب یہ لکھ دیا کہ:

”خود نبی کریم ﷺ کو اللہ تعالیٰ کی بندگی کے لیے پیدا کیا ہے۔“

حوالہ: قرآنی درس توحید، صفحہ نمبر: ۳۸

یہ جملہ بھی حضور اقدس ﷺ کی شان عظمت گھٹانے کے فاسد ارادے سے ہی لکھا گیا ہے۔ یعنی پہلے انسان و جنات کے لیے لکھا، پھر پوری کائنات کے لیے لکھا کہ کائنات کی پیدائش کا مقصد صرف اللہ تعالیٰ کی بندگی ہے، سب سے آخر میں حضور اقدس ﷺ کے متعلق لکھ دیا کہ حضور کو بھی اللہ کی بندگی کے لیے پیدا کیا گیا ہے جس کا مطلب یہ ہوا کہ کتاب قرآنی درس توحید کا منافق مصنف حضور اقدس رحمت عالم ﷺ کی پیدائش کو بالکل اہمیت نہیں دینا چاہتا، بلکہ جس طرح اور جس مقصد کے لیے عام انسان، جنات اور پوری کائنات پیدا کی گئی ہے، اسی مقصد کے لیے ہی حضور اقدس ﷺ کو پیدا کیا گیا، یعنی مصنف حضور اقدس کی ولادت باسعادت کو ایک عام انسان کی پیدائش کی طرح شمار کر رہا ہے۔ حالاں کہ حضور اقدس کی ولادت باسعادت کے صدقہ میں پوری کائنات وجود میں آئی ہے۔ اس حقیقت کا انکار کرنے کے لیے بے جوڑ، بے ربط، بے مطلب اور بے موقع دلیل قائم کرنے کے لیے انسان اور جنات کی پیدائش کا مقصد بیان فرمانے والی سورۃ ذاریات کی آیت نمبر: ۵۶ نقل کر کے اس کے ضمن میں بغیر کسی معتبر تفسیر یا حدیث کی کتاب کے حوالے کے اپنی فاسد رائے لکھ دی کہ کائنات کی پیدائش کا مقصد صرف اللہ تعالیٰ کی بندگی ہے، اور پھر یہاں تک لکھ دیا کہ حضور اقدس کو بھی اللہ تعالیٰ کی بندگی کے لیے ہی پیدا کیا گیا ہے۔ حالاں کہ حقیقت یہ ہے کہ:

وہ جو نہ تھے، تو کچھ نہ تھا
وہ جو نہ ہوں، تو کچھ نہ ہو

حضور اقدس، رحمت عالم ﷺ کی پیدائش کا عنوان اتنا وسیع ہے کہ صرف اسی ایک عنوان کے لیے ضخیم کتاب درکار ہے۔ مختصر یہ کہ حضور اقدس کی ذات گرامی عام انسانوں کی طرح نہیں، بلکہ حضور اقدس کو اللہ تعالیٰ نے ایسا بے مثل و مثال بنایا ہے کہ آپ جیسا نہ کوئی ہوا ہے، نہ کبھی ہوگا، کیوں کہ:

- اللہ تعالیٰ نے اپنے نور سے حضور کے نور کو بنایا ہے۔
 - حضور کے نور سے عرش، لوح، قلم، زمین، آسمان، جنت، حور، انسان، فرشتے بلکہ پوری کائنات پیدا کی گئی ہے۔
 - حدیث قدسی میں تو یہاں تک ذکر ہے کہ اگر حضور کو پیدا کرنا منظور نہ ہوتا، تو اللہ تعالیٰ اپنا رب ہونا ظاہر نہ فرماتا۔
- مندرجہ بالا حقیقت کے ثبوت میں معتبر کتابوں کے چند حوالے پیش خدمت ہیں۔

حدیث شریف:

امام اجل سیدنا امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے شاگرد اور سیدنا امام احمد بن حنبل کے استاد اور امام بخاری و امام مسلم کے استاد کے استاد یعنی حافظ الاحادیث، محدث عبد الرزاق بن ہمام نے اپنی مشہور کتاب ”مُصَنَّف“ میں حضرت جابر بن عبد اللہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی کہ:

”قَالَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ بِأَبِي أَنْتَ وَ أُمِّي أَخْبَرْنِي عَنْ أَوَّلِ شَيْءٍ خَلَقَهُ اللَّهُ تَعَالَى قَبْلَ الْأَشْيَاءِ ۝ قَالَ يَا جَابِرُ إِنَّ اللَّهَ تَعَالَى قَدْ خَلَقَ قَبْلَ الْأَشْيَاءِ نُورَ نَبِيِّكَ مِنْ نُورِهِ“

ترجمہ :

”حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان، مجھے بتائیے کہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے کیا چیز بنائی، حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ اے جابر! بے شک بالیقین، اللہ نے تمام مخلوق سے پہلے تیرے نبی کا نور اپنے نور سے پیدا فرمایا۔“

حوالہ :

اس حدیث کو جلیل القدر ائمہ ملت اسلامیہ نے اپنی معرکۃ الآراء اور معتمد و مستند کتابوں میں صحیح اسناد سے روایت کیا۔ اس حدیث کو حسن، صالح، مقبول اور معتمد کہا ہے، مثال کے طور پر:

- (۱) امام ابو بکر حسین بیہقی شافعی نے ”دلائل النبوة“ میں۔
- (۲) امام احمد بن محمد قسطلانی نے ”المواہب اللدنیہ“ میں۔
- (۳) امام ابو فضل، شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی مکی نے ”افضل القراء“ میں
- (۴) امام علامہ محمد بن عبد الباقی زرقانی نے ”شرح مواہب اللدنیہ“ میں۔
- (۵) علامہ حسین بن محمد بن حسن دریا بکری نے ”النجیس فی احوال النفیس“ میں۔
- (۶) علامہ فاسی نے ”مطالع المسرات“ میں۔

(۷) شیخ محقق، شاہ محمد عبدالحق بن سیف الدین محدث دہلوی نے ”مدارج النبوة“ میں نقل کیا ہے۔

(۸) ”صلاة الصفاء فی نور المصطفیٰ“، مصنف: امام احمد رضا محقق بریلوی، صفحہ نمبر: ۳

اس حدیث شریف سے ثابت ہوا کہ حضور اقدس ﷺ کا نور اللہ کے نور سے بنا ہے۔ اب وہ حدیث دیکھیں کہ حضور اقدس کے نور سے پوری کائنات بنی ہے۔

حدیث :

امام ابو الحسن اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور اقدس، جان عالم ﷺ ارشاد فرماتے ہیں کہ :

”أَوَّلُ مَا خَلَقَ اللَّهُ نُورِيَّ وَ مِنْ نُورِيَّ خَلَقَ جَمِيعَ الْكَائِنَاتِ“

حوالہ : ”بیان المیلاد النبوی“ (عربی) صفحہ: ۲۴

ترجمہ :

”سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے میرے نور کو پیدا کیا، پھر میرے نور سے تمام کائنات کو پیدا کیا۔“

حدیث قدسی :

اب یہاں ایک حدیث قدسی پیش کی جا رہی ہے، جس کو پڑھ کر ہر مومن کا ایمان تازہ ہو جائے گا، اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب اکرم ﷺ کا نور اس لیے پیدا فرمایا کہ:

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ:

”كُنْتُ كَنْزًا مُخْفِيًا فَاحْبَبْتُ أَنْ أُعْرِفَ فَخَلَقْتُ الْخَلْقَ“

حوالہ : ”جواہر البحار فی فضائل النبی المختار“، از: الشیخ امام یوسف ابن اسماعیل بہانی،

جلد ۴، صفحہ: ۲۵۷، مطبوعہ: دار الفکر، بیروت۔ لبنان

ترجمہ :

”میں ایک چھپا ہوا خزانہ تھا، پس مجھے اس امر سے محبت ہوئی کہ میں پہچانا جاؤں، تو میں نے مخلوق کو پیدا کیا۔“

حدیث کی شرح :

اس حدیث کی شرح میں امام عبد الکریم جیلانی شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کرنے کا ارادہ فرمایا، تب یہ بات اللہ کے علم میں تھی کہ حادث (ختم ہونے

والی) ہونے کی وجہ سے مخلوق میری ذات کی معرفت حاصل نہ کر سکے گی اور مخلوق کو جس محبت کی وجہ سے پیدا کی گئی ہے، اس کا تقاضا یہی کہ مخلوق اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کرے۔ لہذا :

”فَخَلَقَ مِنْ تِلْكَ الْمَحَبَّةِ حَبِيبًا اِخْتَصَّهُ لِتَجَلِّيَاتِ ذَاتِهِ، وَ خَلَقَ الْعَالَمَ مِنْ ذَلِكَ الْحَبِيبِ لِتَصَحِّحِ النَّسْبَةَ بَيْنَهُ وَ بَيْنَ خَلْقِهِ فَيَعْرِفُوهُ بِتِلْكَ النَّسْبَةِ، فَالْعَالَمَ مَظْهَرُ تَجَلِّيَاتِ الصِّفَاتِ وَ الْحَبِيبُ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ مَظْهَرُ تَجَلِّيَاتِ الذَّاتِ“

حوالہ : جواہر البحار فی فضائل النبی المختار، از: الشیخ امام یوسف بن اسماعیل، بہانی، جلد: ۱، صفحہ: ۲۶۲ و ۲۶۳، مطبوعہ: دار الفکر، بیروت۔ لبنان

ترجمہ :

”پس اس نے اس محبت سے اپنے حبیب کو پیدا فرمایا اور اپنے حبیب کو اپنی ذات کی تجلیوں کے فیض سے مخصوص فرمایا اور تمام عالم کو اپنے حبیب سے پیدا فرمایا، تاکہ وہ حبیب خالق اور مخلوق کے درمیان نسبت بن جائے اور مخلوق اس حبیب کی نسبت سے اپنے خالق کی معرفت پا سکے، پس عالم اللہ کی صفتوں کی تجلیوں کا مظہر (جلوہ) ہے اور حبیب ﷺ اللہ تعالیٰ کی ذات کی تجلیوں کا مظہر (جلوہ) ہے۔“

حدیث قدسی :

تفسیر روح البیان کے مصنف حضرت شیخ اسماعیل حقی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس رحمت عالم ﷺ کے ناموں میں سے ایک نام نبی الرحمة ہے۔ کیوں آپ رحمت کے سبب ہیں اور آپ کی رحمت سے یہ بھی ہے کہ آپ مخلوق کے وجود کا سبب ہیں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر آپ کو پیدا کرنا منظور نہ ہوتا، تو میں آسمانوں کو نہ بناتا۔

”وَهُوَ الْوُجُودُ لِقَوْلِهِ تَعَالَى لَوْلَاكَ لَمَا خَلَقْتُ الْأَفْلاكَ ط وَفِي كِتَابِ الْبُرْهَانِ

لِلْكَرْمَانِي لَوْلَاكَ لَمَا خَلَقْتُ الْكَائِنَاتِ ط خَاطَبَ اللَّهُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ بِهَذَا الْقَوْلِ - وَ مِنْ جَوَاهِرِ الشَّيْخِ إِسْمَاعِيلِ حَقِّي أَيْضًا رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ“

حوالہ : جواہر البحار فی فضائل النبی المختار، از: الشیخ امام یوسف بن اسماعیل، بہانی، جلد: ۲، صفحہ: ۲۵۴، مطبوعہ: دار الفکر، بیروت۔ لبنان

ترجمہ :

”اور وہ وجود ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اگر آپ کو پیدا کرنا منظور نہ ہوتا، تو میں آسمانوں کو نہ بناتا، اور امام کرمانی کی کتاب البرہان میں اس طرح روایت ہے کہ اے محبوب! اگر آپ کو پیدا کرنا منظور نہ ہوتا، تو میں کائنات کو نہ بناتا، اللہ تعالیٰ نے اس قول سے نبی کریم ﷺ کو مخاطب فرمایا، اور اسی طرح کی روایت حضرت شیخ اسماعیل حقی کی کتاب جواہر میں ہے۔“

آخری بات

■ قرآنی درس توحید کے گستاخ مصنف نے اپنی کتاب (ہندی نسخہ) کے صفحہ نمبر ۳۶ سے ۳۸ تک غلط بیانی کے ذریعہ یہ بات ثابت کرنے کی ناکام کوشش کی ہے کہ:

(معاذ اللہ)، ”حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ حضور اقدس ﷺ کے صدقہ میں اور ویلے سے قبول نہیں ہوئی ہے۔“

لیکن ...

الحمد للہ ہم نے (۱) تفسیر روح البیان (۲) تفسیر روح المعانی (۳) تفسیر قرطبی (۴) متدرک علی الصحیحین (۵) المواہب اللدنیہ (۶) الخصاص الکبریٰ کے حوالوں سے روز روشن کی طرح ثابت کر دیا کہ :

● بے شک حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی توبہ حضور اقدس ﷺ کے صدقہ میں اور آپ کے ہی وسیلے سے قبول ہوئی ہے۔

■ اسی طرح قرآنی درس توحید کے صفحہ نمبر: ۳۸ سے ۳۹ تک قرآن مجید میں پارہ نمبر: ۲۷ سورہ ذاریات کی آیت نمبر: ۵۶ سے غلط دلیل پکڑ کر اور اس آیت کا من چاہا مطلب و مفہوم بیان کر کے لوگوں کو دھوکہ دینے کے لیے یہاں تک لکھ دیا کہ:

● ”(معاذ اللہ)، ”حضور اقدس ﷺ کی پیدائش عام مخلوق کی طرح صرف اللہ تعالیٰ کی بندگی کے لیے ہوئی ہے۔“

لیکن

الحمد للہ، ہم نے قرآن مجید کی کئی آیتوں، حدیث اور سیرت کی کئی معتبر کتابوں کے حوالے سے ثابت کر دیا ہے کہ:

● حضور اقدس کی پیدائش اللہ کے نور سے ہوئی ہے۔

● حضور اقدس کے نور سے پوری کائنات بنی ہے۔

● حضور اقدس کو پیدا فرما کر اللہ تعالیٰ نے اپنی ربوبیت کا اظہار فرمایا ہے۔

● اگر حضور اقدس نہ ہوتے تو کائنات کا وجود ہی نہ ہوتا، بلکہ مخلوق کو اللہ تعالیٰ کی معرفت بھی حاصل نہ ہوتی۔

خبردار! ہوشیار رہو

دور حاضر کے منافقین کم پڑھے لکھے لوگوں کو گمراہ کرنے کی فاسد نیت سے اپنی بد عقیدگی کے ثبوت میں اور بارگاہِ رسالت ﷺ میں گستاخی کرنے کی غرض سے بے محل اور بے موقع قرآن مجید کی کوئی آیت یا حدیث عربی متن کے ساتھ لکھ دیتے ہیں اور پھر اس آیت یا حدیث کا من چاہا ترجمہ لکھ کر اس کے ضمن میں غلط تشریح لکھ کر سراسر جھوٹے مفہوم اور مطلب لکھ دیتے ہیں۔ کم پڑھا لکھا مسلمان عربی عبارت

کے ساتھ پیش کی گئی قرآن کی آیت اور حدیث کو دیکھ کر مرعوب ہو جاتا ہے۔ منافقین قرآن اور حدیث کے نام پر حسین دھوکہ دے کر اسے گمراہ کر دیتے ہیں، دن دہاڑے اس کا انمول ایمان لوٹ لیتے ہیں۔

لہذا، اس خطرناک سازش سے بچنے کا صرف یہی راستہ ہے کہ ایسی گمراہ کرنے والی کتابوں کو ہرگز نہ پڑھیں اور اتفاقاً ایسی کوئی کتاب کوئی دے یا بھیجے، تو اس کو پڑھنے سے پہلے کسی صحیح العقیدہ عالم کو دکھا دیں اور سنی عالم سے اس کتاب کا رد اچھی طرح سمجھ لیں اور اپنے ایمان کو لٹنے سے بچالیں۔

قرآنی درس توحید کتاب ایسے خطرناک انداز سے لکھی گئی ہے کہ اگر اس میں پیش کی گئی دلیلوں کی سچی حقیقت کیا ہے؟ اس امر کو کسی صحیح العقیدہ عالم سے سمجھے بغیر، کتاب کو پڑھ کر بھروسہ کر لیا گیا، تو یہ کتاب ایمان کو ہلاک کرنے کے لیے زہر قاتل جیسی خطرناک کتاب ہے۔

اس کتاب کی چند گمراہ کرنے والی باتوں کا ہم نے رد لکھا، تو اتنی موٹی کتاب وجود میں آگئی، اگر اس پوری کتاب کا بالاستیعاب رد لکھا جائے تو کئی ضخیم کتابیں تیار ہو سکتی ہیں، طول تحریر کے اندیشہ سے ہم نے انہیں چند باتوں کے جواب پر ہی اکتفاء کیا ہے۔

قرآنی درس توحید کتاب میں شرک کے فتوؤں کی اتنی کثرت سے گولا باری کی گئی ہے کہ شرک کی مشین گن سے زخمی ہونے سے شاید ہی کوئی بچے، اس کتاب میں ان جائز بلکہ مستحب کاموں کو بھی شرک اور بدعت کہا گیا ہے جو صدیوں سے ملت اسلامیہ میں رائج تھے اور جن کاموں کو جلیل القدر صحابہ، اولیاء، صلحاء، علماء اور مشائخ نے کیا، جائز کہا، لکھا بلکہ اپنے معتقدین اور اپنے حلقہ کے لوگوں کو ان کاموں کے کرنے کی نصیحت اور تلقین فرمائی۔

قرآنی درس توحید کتاب میں:

اللہ کے نیک بندوں کے وسیلے سے دعا مانگنا، انبیاء اور اولیاء سے مدد مانگنا، انبیاء اور اولیاء کو پکارنا، انبیاء اور اولیاء کی صورت کا تصور کرنا، انبیاء اور اولیاء کے لیے علم غیب ماننا، حضور اقدس ﷺ کو حاضر ناظر ماننا، وغیرہ کو صاف لفظوں میں شرک لکھا ہے۔

علاوہ ازیں عید میلاد منانا، عید میلاد کے دن جلوس نکالنا، حضور اقدس ﷺ کا نام سن کر انگوٹھے چومنا، کھڑے ہو کر صلاۃ و سلام پڑھنا، وغیرہ کاموں کو ناجائز حرام یا بدعت لکھا ہے۔

مذکورہ کام میں جن کاموں کو قرآنی درس تو حید میں شرک یا حرام یا ناجائز لکھا ہے، ان کاموں کو شرک حرام یا ناجائز ثابت کرنے کے لیے بے محل اور بے موقع قرآن کی آیتیں اور حدیثوں کی عربی عبارتیں نقل کر کے اس کے من چاہے ترجمہ لکھ کر پھر اس کے ضمن میں غلط تشریح، توضیح، تاویل اور پھر جھوٹے مفہوم اور مطلب لکھ کر گمراہیت پھیلانے کی کوشش کی گئی ہے۔

منافقین کا اصل مقصد انبیاء اور اولیاء کی بارگاہ میں گستاخی کرنا اور شان گھٹانا ہے، لہذا جن کاموں کے کرنے سے انبیاء اور اولیاء کی عظمتِ شان ظاہر ہوتی ہے، ان تمام کاموں کو منافقین زمانہ شرک، بدعت یا حرام کہہ دیتے ہیں، اور اپنے اس فاسد مقصد کے لیے ہمیشہ تو حید کا سہارا لیتے ہیں بلکہ یوں کہنا زیادہ مناسب ہوگا کہ اپنے آپ تو حید کے ٹھیکیدار بن جاتے ہیں، ”یہ کام اللہ تعالیٰ کی تو حید کے خلاف ہے، لہذا شرک ہے“، کانعرہ ان منافقوں کو گھٹی میں پلادیا جاتا ہے۔

جن کو تو حید کے ”ت“ اور شرک کے ”ش“ کی بھی معلومات نہیں، ایسے جاہل تبلیغی جماعت کے مبلغ اپنے ہاتھوں میں شرک کے فتوؤں کی مشین گن تھام لیتے ہیں، اور انبیاء و اولیاء کی عقیدت و محبت میں کیے جانے والے شرعاً جائز بلکہ مستحب کاموں پر بھی بڑی بے دردی اور بے رحمی سے شرک کے فتوؤں کی بوچھا کر دیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی تو حید کی حفاظت کرنے کا فخر کرتے ہیں۔

منافقین نے تو حید کا مطلب محبوب خدا کی شان میں توہین کرنا بنا رکھا ہے، بلکہ انبیاء اور اولیاء کی شان میں گستاخی اور توہین کرنا ہی منافقوں کی تو حید کا اصل مقصد ہے، بات بات میں تو حید الہی کا جھنڈا بلند کرتے ہیں، جہاں کہیں بھی کسی نے نبی یا ولی کی عظمت کی بات کہی، فوراً ہی منافق چیخ اٹھتا ہے۔ غضب کر دیا تو حید الہی کی خلاف ورزی کر دی، شرک ہو گیا، شرک ہو گیا، شرک، شرک، شرک۔

لیکن....

ان منافقوں کی تو حید کی پاسداری میں شرک کے خطرے کی گھنٹی بجانے کی حرکت صرف انبیاء اور اولیاء کے معاملہ تک ہی محدود ہوتی ہے، کیوں جب ان منافقوں کے پیشواؤں اور ملاؤں کا معاملہ ہوتا ہے، تب تو حید اور شرک کی تمام اصطلاح اور قانون بھول جاتے ہیں، جن باتوں کے لیے اور جن کاموں کے لیے انبیاء اور اولیاء کے معاملہ میں بھینا نک شرک کے فتوے مارے تھے وہ ساری باتیں اور کام اپنے پیشواؤں کے معاملہ میں شرک نہیں بلکہ کرامت بن گئے۔

منافقین کا یہ متضاد نظریہ Double Policy اب کوئی چھپی بات نہیں بلکہ ایک کھلی حقیقت ہے، جو ان کے مکتبہ سے چھپی ہوئی ان کے ہی پیشواؤں کی کتابوں سے ثابت ہے۔

قرآنی درس تو حید کے جواب کی پہلی قسط بنام ”تو حید کا اجالا شرک کا اندھیرا“، کو ہم یہاں پر اختتام کی منزل پر پہنچاتے ہیں، اور وہابی تبلیغی جماعت کے نام نہاد تو حید کی حقیقت روز روشن کے آفتاب کی طرح عیاں کرنے کے لیے قسط نمبر ۲: بنام ”تو حید کے ٹھیکیدار خود شرک میں گرفتار“ کا آغاز کر رہے ہیں، جو الگ کتاب کی شکل میں شائع ہو جائے گی۔

اللہ تعالیٰ اپنے حبیب اکرم ﷺ کے صدقہ اور طفیل میں ہر مومن کا ایمان سلامت رکھے اور منافقوں کی دھوکہ بازی اور ہتھکنڈوں سے حفاظت فرمائیں۔

پور بندر:-

۱۲ ربیع الآخر ۱۴۲۹ھ

بروز شنبہ

مطابق ۱۹، اپریل ۲۰۰۸ء

طالب دعا

